مَنْ حفظ علىٰ اُمّتی اَرْبعین حدیثًا فی اَمْرِ دِیْنِہا بعثہُ اللہُ تعالیٰ فقِیہًا وَ کُنْتُ لہٗ یَوْمَ الْقِیٰمۃِ شافِعًا وَشہِیْدًا ۔ (الحدیث)

شرح
اربعین شاہ ولی اللّٰھی

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نقشبندی قدس سرہٗ

بروایت

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ

ترجمہ ۔ تشریح ۔ تخریج

علامہ محمد ایوب آزاد نقشبندی مجددی
ایم اے عربی ، ایم اسلامیات ، ایم او ایل

السیف فاؤنڈیشن ، پاکستان

مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی
فَقِیْهًا وَّ کُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ شَافِعًا وَّشَهِیْدًا ۔ (الحدیث)

شرح
اربعین شاہ ولی اللّٰہی

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نقشبندی قدس سرہ

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

علامہ محمد ایوب آزاد نقشبندی مجددی
ایم اے عربی، ایم اسلامیات، ایم او ایل

السیف فاؤنڈیشن، پاکستان

کتاب کا نام ---------- شرح اربعین شاہ ولی اللہ

از ---------- امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شارح ---------- علامہ محمد ایوب آزاد مجددی

نظرثانی ---------- ابوالحسان علامہ مفتی طاہر تبسم القادری مدظلہ

تحریک و پروف ریڈنگ -------- علامہ حافظ محمد صادق رضوی لولائی

کاوش ---------- محمد محسن صاحب

کمپوزنگ ---------- محمد ذیشان ریاض (زیڈ آر گرافکس، اُردو بازار)

ناشر ---------- السیف فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، پاکستان

ہدیہ ---------- روپے

سن اشاعت ---------- دسمبر 2014ء

ملنے کے پتے

- آستانہ عالیہ سیفیہ فقیر آباد، لاہور
- مکتبہ محمدیہ سیفیہ، راوی ریان، لاہور
- دار التہذیب، اکبری منڈی، لاہور
- مکتبہ کرمانوالہ بک سٹال، اُردو بازار، لاہور
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی، لاہور
- منہاج بک اینڈ سی ڈیز، دربار مارکیٹ، لاہور
- آزاد بک ڈپو بنک روڈ، مظفر آباد
- اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی

انتساب

میں اپنی اِس کاوش کو اُن تمام علمائے ربانیین کے نام کرنے کی جسارت کرتا ہوں جنہوں نے برصغیر میں علم حدیث کی داغ بیل ڈالی۔

بالخصوص شیخ العرب والعجم

اخندادہ حضرت پیر سیف الرحمن مبارک

کے حضور بصد عجز و نیاز۔۔۔۔

الاھداء

اپنے والدین مکرمین اور جمیع اساتذہ کرام کے نام جن کی تربیت نے لفظ کی پہچان تک پہنچایا اور شیخ کامل قطب دوراں، شیخ العلماء حضرت میاں محمد حنفی سیفی مدظلہ کے نام جن کی نظر عنایت نے لفظ سے علم کی حقیقت تک کا کٹھن سفر طے کرنے میں رہنمائی فرمائی۔

گر قبول اُفتد رہے عز و شرف

محمد ایوب آزادؔ

تقریظ سعید

شیخ القرآن والحدیث پیر طریقت رہبر شریعت

حضرت علامہ صاحبزادہ احمد سعید المعروف یار جان سیفی صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

مرکزی آستانہ عالیہ نقشبندیہ، سیفیہ، فقیر آباد، لاہور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد! برادرِ عزیز محترم علامہ محمد ایوب آزاد مجددی نے اربعین شاہ ولی اللہ کی تدوین، ترجمہ، اخراج احادیث اور جمع میں سعی بلیغ فرما کر احسان فرمایا ہے۔

کیونکہ اربعینات میں اکثر و بیشتر جو بھی احادیث ذکر کی جاتی ہیں تو اُن کے تراجم اور تخریج میں اکثر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

برادرِ عزیز نے عوام اور خواص کیلئے آسانی مہیا کر کے سب پر احسان فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت آپ کے قلم میں اور فکر میں مزید وسعت فرمائے۔ اور اس عاجلہ کو مفید عام بنادے۔

بحرمت سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

احقر: احمد سعید السیفی عرف یار جان

خادم جامعۃ السیفیہ مرکزی آستانہ عالیہ نقشبندیہ، سیفیہ،

فقیر آباد شریف، لاہور

07-12-2014

تقریظ سعید

پیر طریقت رہبر شریعت

حضرت علامہ صاحبزادہ سید احمد حسین پاچا سیفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مرکزی آستانہ عالیہ نقشبندیہ، سیفیہ، فقیر آباد شریف، لاہور

حامداً ومصلیاً امابعد!

محترم برادرِ طریقت علامہ محمد ایوب آزاد مجددی نے نہایت دلچسپی کے ساتھ اربعین شاہ ولی اللہ پر خوبصورت شرح لکھی ہے۔ اللہ جل جلالہ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اور حضور ﷺ کی شفاعت وزیارت نصیب فرمائے۔

اس ذوق کے لوگ واقعی بہت کم ہیں جو محنت طلب کام کی طرف توجہ دیں۔ احادیث میں دلچسپی سے ایک تو اپنا فائدہ ہے، دوسرا ناقدین کا منہ بند ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ احناف احادیث سے دور ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ احادیث کو سب سے صحیح سمجھنے والے احناف ہی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ احادیث جہاں انسان کو افراط وتفریط سے نکال کر اعتدال کی طرف لے آتی ہیں، دوسری طرف انسان کو تقویٰ دار بناتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ محترم علامہ محمد ایوب آزاد مجددی کو مزید توفیق و استقامت نصیب فرمائے۔ آمین

احقر: سید احمد حسین پاچا

مرکزی آستانہ عالیہ نقشبندیہ، سیفیہ، فقیر آباد شریف، لاہور

07-12-2014

فہرست مضامین

پیش لفظ

بلاشبہ اہل ایمان کے دین کا سرمایہ اور ان کی شریعت کی جان نبی ﷺ کا نمونہ حیات ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اقوال و احوال اور آپ کے شب و روز کے معمولات ہی ان کے لئے سرچشمہ ہدایت ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے جان دو عالم ﷺ کی کتاب زندگی کے ایک ایک ورق کو یاد رکھا خلوت و جلوت، سفر و حضر نجی حالات سے لے کر عام سیاسی معاملات تک رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا کوئی ایسا قصہ نہیں جس کو انہوں نے یاد نہ کیا ہو۔ نبی ﷺ کی احادیث طیبہ کا تذکرہ کرتے اور سینوں سے صحیفوں تک محفوظ کرلیتے تھے۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے حفظ اور کتابت کے اس عمل کو جاری رکھا یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے بعد حدیث کی باقاعدہ طور پر تدوین شروع ہوئی اس انداز سے احادیث نبویہ کا ذخیرہ امت مسلمہ کے پاس محفوظ ہوگیا۔

اکابرین اُمت نے علم حدیث کے حصول کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھی انہوں نے بارہا صرف ایک حدیث کی خاطر سیکڑوں میل کا سفر کیا طلب حدیث میں ان کے لیے کوئی چیز اس راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ اکابرین اُمت کے اسی جہد مسلسل کی بدولت علم حدیث کی یہ روشنی ساری دنیا میں پھیل گئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن میں ہر شے کا بیان واضح موجود ہے لیکن اس کی تفہیم کیلئے احادیث طیبہ کا سہارہ لیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ تیمم، حج اور عمرہ یہ محض الفاظ ہیں لغت عربی ان کے وہ معانی نہیں بتلاتی جو شرع میں مطلوب ہیں پس اگر

احادیث طیبہ موجود نہ ہوں تو قرآن کے معانی شرعیہ کو متعین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔ ہر صدی میں محدثین نے بیسیوں احادیث کی تدوین کرکے نبی ﷺ کی احادیث طیبہ کی خدمت کر کے اپنا شمار خادمین حدیث میں کروایا۔

گیارھویں صدری ہجری میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے علم حدیث پر جو تاریخی کارنامہ سرانجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے درسِ حدیث کے ساتھ ساتھ احادیث کے مجموعوں پر مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ نظر ڈالی اور موطا امام مالک کو صحیح بخاری کے مقابلہ میں زیادہ مفید اور اہم قرار دیا۔ یہاں تک کہ آپ نے صحیح بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی کو موطا کی شرح قرار دیا موطا کی اسی اہمیت کے پیش نظر محدث دہلویؒ نے موطا کی دو شرحیں لکھیں۔ المسویٰ عربی میں اور المصفیٰ فارسی میں ہے۔

آپ کا علم حدیث میں یہ کارنامہ بھی ناقابل فراموش ہے کہ آپ نے اسناد کے معیار کو پرکھ کر کتب حدیث کی درجہ بندی فرمائی۔ اوّل درجہ پر، موطا و صحیح بخاری، صحیح مسلم دوسرے درجہ پر سنن ابوداؤد اور سنن نسائی، جامع ترمذی کو رکھا اور تیسرے نمبر پر مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کو رکھا۔ لیکن ان کی صحت کا کوئی التزام نہیں رکھا۔ اور یہ بھی آپ کے کارناموں میں سے ہے کہ مختلف احادیث میں فنکارانہ مہارت سے تطبیق دیتے ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ ساری زندگی حدیث نبوی کی خدمت کرتے رہے۔ اکثر محدثین کی طرح آپ نے بھی نبی ﷺ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے جس نے میری چالیس احادیث مسلمانوں تک پہنچائی اُسے اللہ محدثین وفقہاء کے زمرہ میں حشر فرمائے گا۔ اپنا شمار بھی ان خوش نصیبوں میں کروانے کیلئے اربعین شاہ ولی اللہ مرتب کی، کیونکہ ہر محدث تقریباً ہر عالم کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوگئی کہ وہ کوئی نہ کوئی اربعین چالیس احادیث یادگار چھوڑے۔ چند ماہ قبل محترم مدثر خانزادہ کی وساطت سے اربعین شاہ ولی اللہ نظر سے گزری

دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ ہو کہ اس کا ترجمہ اور مختصر شرح کی جائے تاکہ خادمین حدیث میں شمار ہو جائے۔ چنانچہ بندہ فقیر باوجود کم علمی کے شاید فن حدیث کی ابجد سے بھی واقف نہ ہو، انگلیاں کٹوا کر نام شہیدوں میں لکھوانا تو مشکل تھا البتہ دوسروں کا خون اپنی انگلیوں پر لگا کر نام شہیدوں میں لکھوانے کی سعی کی ہے بلاشبہ قرآن مجید کلام بلیغ ہے اور اسکے بعد اگر کسی کا کلام ہے وہ صاحب قرآن کا کلام ہے اس کی مثال خود یہ اربعین کیسی کیسی بلند حقیقتوں کے دریا کو دو دو چار لفظوں کے کوزے میں بند کر دیا۔

بالآخر بندۂ کمزور ناتواں نے متن کو من وعن لیا اور ترجمہ کی زبان کو جدید انداز سے لکھا پوری احتیاط کے ساتھ مختصر اور جامع تشریح کی ہر حدیث کی مکمل تخریج بھی کر دی گئی تاکہ قارئین کو اصل کتاب میں حدیث تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ اور اس اربعین کی خاص بات یہ بھی ہے کہ ہر حدیث حضرت علیؓ سے مروی ہے انہوں نے براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ ۱۱۷۶ھ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے وصال کے تقریباً ۱۰۰ سال بعد ۱۸۵۴ء سید عبداللہ نامی شخص نے اس کا ترجمہ کیا۔ اور اسکے بعد مولانا عبدالحلیم چشتی اور اسکے بعد عبدالماجد دریا دریا آبادی نے اس کا ترجمہ اور تشریح کی اور اب بندۂ احقر اس کو جدید ترجمہ، تشریح کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

میں مولانا حسن سیالوی صاحب اور مولینا محمد صادق رضوی صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے تحقیق وتخریج میں معاونت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ عظیم المرتبت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نقشبندی اور تمام خادمین حدیث اور مجھ گنہگار پر اپنے فضل وکرم اور عفوو درگزر کی نوازش فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم۔

اور میری کاوش کو میرے لیے ذریعہ نجات بنائے۔

خادم الحدیث۔ محمد ایوب آزاد مجددی

بروز بدھ ۱۴۔9۔10، شب ۲ بجے

سوانح حیات

امام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نقشبندی

ولادت:

۴ شوال بروز چہار شنبہ (۲۱ فروری ۱۷۰۳) کو دہلی ایک صاحب نسبت اور فخر روزگار خانوادے میں حضرت شاہ عبدالرحیم کے گھر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ولادت ہوئی۔

بشارت فرزند:

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی خود نوشت سوانح جزء لطیف میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ میں (شاہ عبدالرحیم ؒ) حضرت قطب الدین بختیار کاکی ؒ کے مزار کی زیارت کے لئے گیا۔آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھے فرمایا کہ تمہیں ایک فرزند عطا ہوگا۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔اس وقت میری زوجہ عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکی تھیں، جس میں اولاد کا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے۔میرے اس وہم پر آپ فوراً مطلع ہو گئے اور فرمایا میرا مقصد یہ نہیں ہے، بلکہ یہ فرزند (جس کی بشارت دی گئی ہے) خود تمہاری صلب سے ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا اور اسی سے کاتب الحروف ولی اللہ پیدا ہوا۔میری پیدائش کے وقت والد ماجد کے ذہن سے یہ واقعہ اتر گیا، اس لیے انہوں نے ولی اللہ نام رکھ دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب انہیں یہ واقعہ یاد آیا تو انہوں نے میرا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا''۔[1]

---

[1] انفاس العارفین صفحہ ۱۱۰، ترجمہ سید محمد فاروق القادری، المعارف لاہور ۱۳۹۴ھ

شاہ ولیؒ اللہ کی تعلیم وتربیت:

اپنی خود نوشت سوانح میں آپ فرماتے ہیں، پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سات سال کا تھا کہ والد بزرگوار نے مجھے نماز کے لئے کھڑا کردیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ختنہ بھی اسی سال ہوا اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے قرآن مجید بھی اسی سال ختم کر کے عربی، فارسی کی کتابیں شروع کیں۔ دس برس کا تھا تو شرح ملا پڑھتا تھا۔اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی۔چودہ برس کی عمر میں میری شادی ہوگئی۔ پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغال صوفیا خصوصاً مشائخ نقشبند کے اشغال میں مصروف ہوگیا۔اسی سال بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا تو اس موقع پر والد بزرگوار نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا اور درس کی اجازت عطا فرمائی۔خلاصہ یہ کہ اس علاقے کے تمام علوم متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کرلی۔اپنی عمر کے سترھویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے اور اسی علالت میں رحمتِ خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔آپؒ نے مرض الموت کے دوران مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت عطا فرمائی اور یہ جملہ کہ یدہٗ کیدی،اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ والد بزرگوار ساری زندگی مجھ سے راضی رہے اور اسی عالم میں دنیا سے رخصت ہوئے۔مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی باپ کو اپنے بیٹے پر نہیں ہوسکتی۔میں نے کسی ایسے والد، استاد یا مرشد کو نہیں دیکھا کہ جو اپنے فرزند، شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت سے پیش آتا ہو جس شفقت کے ساتھ والد بزرگوار مجھ سے پیش آتے تھے۔[1]

---

[1] انفاس العارفین صفحہ ۴۰۴ تا ۴۰۵

سفرِ حرمین شریفین:

کم وبیش بارہ سالہ تدریس کے بعد حضرت شاہ صاحب کے دل میں حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا چنانچہ ۱۱۴۳ھ میں حضرت شاہ صاحب سفرِ حج پر روانہ ہو گئے۔

۱۱۴۳ھ کا حج ادا کرنے کے بعد آپ ایک سال تک حرمین شریفین میں اقامت پذیر رہے اور اس عرصہ میں آپ ؒ نے حرمین کے اساتذہ سے علمی استفادہ کیا۔ آپ کا زیادہ تر قیام مدینہ منورہ میں رہا۔

خود حضرت شاہ صاحب کی زبانی حرمین شریفین کے قیام کی مختصر روداد سنیے۔

۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا۔ اور ۱۱۴۴ھ میں مجاورت مکہ معظمہ، زیارت مدینہ شیخ ابوطاہر قدس سرہٗ اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التحیات کے روضہ اقدس کو مرکز توجہ بنا کر فیوض حاصل کیے۔ علمائے حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں اور شیخ ابوطاہر سے خرقہ جامعہ حاصل کیا۔ جو بلاشبہ تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع ہے۔ اسی سال کے اخیر میں فریضہ حج ادا کیا۔ ۱۱۴۵ھ میں عازم وطن ہوا، اور اسی سال بروز جمعہ ۱۴ رجب المرجب صحیح وسالم وطن پہنچ گیا۔"

حرمین شریفین سے واپسی:

حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد بالآخر جدائی کی گھڑی آپہنچی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

حضرت شاہ صاحب ؒ نے حرمین سے واپسی کے لیے رختِ سفر باندھ لیا اور اپنے محبوب ترین استاد (شیخ ابوطاہر مدنی ؒ) کی خدمت میں الوداعی سلام کے لیے حاضر ہوئے تو بے اختیار آپ کی زبان پر یہ شعر آگیا۔

نیست کل طریق کنت اعرفہ　　　الا طریقا یؤدینی ربعکم

(یعنی میں بجز اس راستہ کے جو تمہارے گھر تک لے جانے والا ہو سب راستوں کو بھول گیا)

یہ شعر سنتے ہی شیخ صاحب کی نمناک آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہنے لگیں اور دونوں رُخسار سرخ ہو گئے۔ یہاں تک کہ وفود گریہ سے آپ کا گلا خشک ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ ابو طاہرؒ نے بڑے الحاح و زاری کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے حق میں دعا کی۔ باطنی فیوض تلقین کیے اور آپ پر ان تمام رموز و اسرار منکشف کر دیے جو عرصہ دراز سے آپؒ کے سینے میں محفوظ تھے۔

استاد کو الوداع کہہ کر حضرت شاہ صاحبؒ عازم ہندوستان ہوئے اور (۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ ۹ جولائی ۱۷۳۲ء) بروز جمعہ وطن پہنچے۔

سفر حج سے پہلے حضرت شاہؒ صاحب کا زیادہ تر مشغلہ درس و تدریس تھا۔ لیکن اس سفر سے واپسی کے بعد آپ نے تدریسی مشاغل کم کر دیئے صرف حدیث کا درس دیتے اور باقی وقت کو تصنیف تالیف میں لگاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے مزاج کو معتدل بنایا تھا اس لیے بیمار بھی کم پڑتے تھے اور اس پر طرہ یہ کہ آپ کا حافظہ غضب کا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں میں آپؒ نے جلیل القدر تصانیف مرتب فرما دیں جن کے سہارے برصغیر کے مسلمان دور زوال میں بھی اپنے اسلاف کے افکار کو محفوظ رکھنے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کے قابل ہوئے۔ برطانوی سامراج کے دورِ حکومت میں عقلیت پسندی اور مغربیت کا جو خوفناک ریلا آیا اور جس نے اکثر اسلامی ممالک کی دینی اقدار و روایات کے محل کو منہدم کر دیا، برصغیر کے مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور شاہ ولیؒ اللہ کے تیار کیے ہوئے پشتے سے ٹکرا ٹکرا کر واپس لوٹ گیا۔

علمی کارنامے:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے لیے حضور ﷺ کی خلافت باطنی کے میدان کو منتخب فرمایا تھا اس لیے آپ نے اپنی ساری سرگرمیاں علمی و فکری شعبوں تک محدود رکھیں۔ آپ نے اپنی خداداد مومنانہ فراست سے آنے والے دور کی مشکلات کا اندازہ لگا لیا اور اپنی تصنیفات میں نہایت ہی واضح الفاظ میں ان کا اسلامی حل پیش کر دیا۔ آپ رحمۃ اللہ نے قرآن و حدیث، فقہ و کلام، عقائد تصوف، سیر سوانح، مکتوبات نظم وغیرہ کے موضوعات پر تقریباً ساٹھ کتب و رسائل تصنیف کئے۔ بالخصوص علم حدیث میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

علم حدیث میں خدمات:

مسلمان بادشاہوں کے دور حکومت میں جب کہ قاضی و مفتی ہونا ہی علماء کے لیے باعث افتخار تھا۔ فقہ، اصول فقہ، صرف و نحو اور منطق و فلسفہ کو چھوڑ کر بھلا علم حدیث و تفسیر کی طرف کون توجہ کرتا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت کی اپنے طور پر کوششیں کی تھیں۔ لیکن ایسے وقت میں جبکہ دینوی مفادات کا بھوت لوگوں کے سر پر سوار ہو، انفرادی کوششیں کہاں بار آور ہوتی ہیں؟ نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی آواز ظاہر پرست اور دنیا طلب علماء کے غوغائے بے ہنگام میں دب کر رہ گئی تھی۔ سب سے پہلے باقاعدہ اور منظم طور پر علم حدیث و تفسیر کی اشاعت کا نظم "مدرسہ رحیمیہ" دہلی سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کی رہنمائی میں کیا گیا۔ دنیا کے گوشے گوشے سے طالبان علم رسول اللہ ﷺ آتے۔ مدرسہ رحیمیہ کی آغوش محبت ان کے لئے وا ہوتی۔ طلبا کی آسائش کا نظم تھا۔ علم نبوت کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ خالص اسلامی ماحول میں ان کی تربیت کی جاتی۔ ان کے کردار کی تعمیر ہوتی اور پھر وہ علم دین کی امانت اپنے سینوں میں

سمیٹے اپنے وطن لوٹتے اور اپنی زندگی کو علم دین کی ترویج و تبلیغ کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ یہ کوئی شخصی اور انفرادی کوشش نہیں تھی جسے مادہ پرست لوگ دبا دیتے۔ بلکہ ایک نظام قائم کیا گیا تھا۔ ایک تحریک چلائی گئی تھی اُمت مسلمہ کی قیادت کی صلاحیت رکھنے والی جماعت کھڑی کی جارہی تھی جسے مرور ایام اور انقلاب زمانہ مٹا نہیں سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ؒ نے جس نظام تعلیم کی تشکیل فرمادی وہ آج تک بہت معمولی سی تبدیلیوں کے ساتھ باقی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے لاتعداد مدارس دینیہ میں دی جانے والی تعلیم اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حضرت شاہ صاحب ؒ نے احادیث کے مجموعوں پر مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ نظر ڈالی اور آپ نے موطا امام مالک کو صحیح بخاری شریف کے مقابلے میں زیادہ مفید اور اہم قرار دیا۔ آپ کا خیال تھا کہ سند کے اعتبار سے موطا کی سند کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہے یعنی راوی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم واسطے ہیں۔ یہ خصوصیت صحیح بخاری شریف کو حاصل نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ موطا امام مالک ؒ کے اکثر رواۃ مدینہ منورہ کے ہیں جنہیں عامۃ المسلمین معتمد علیہ مانتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ حضرت امام مالک ؒ سے امام شافعی ؒ اور امام محمد ؒ (شاگرد و شارح امام ابو حنیفہ) دونوں نے پڑھا ہے اور موطا پر دونوں کی تنقید بھی موجود ہے۔ اس سے موطا کی تصحیح میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب ؒ نے موطا کے علاوہ صحیح بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف کو موطا کی شرح قرار دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”بے شک امام مالک کے استنباط کے بارے میں تو لوگوں میں اختلاف ہے بعض ان میں ضعف ثابت کرتے ہیں اور بعض ان کی تصحیح کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک نفس موطا کو تعلق ہے اس کی ترتیب و تہذیب فقہ کے لیے موطا

کو ماننے بغیر چارہ نہیں ہے۔[1]

موطا کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت شاہ صاحبؒ نے موطا کی دو شرحیں لکھیں ایک المسویٰ (عربی میں) دوسری المصفیٰ (فارسی میں)

علم حدیث کی خدمت کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب کا یہ کارنامہ بھی ناقابل فراموش ہے کہ آپ نے اسناد کے معیار پر پرکھ کر کتب حدیث کی درجہ بندی فرمائی۔ مثلاً آپ نے اول درجہ پر موطا صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو رکھا۔ اس لیے کہ ناقدین حدیث نے ان کتابوں کی اسناد کو باتفاق رائے صحیح قرار دیا ہے اور انہیں فقہائے سند کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے دوسرے درجے پر جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کو رکھا ہے۔ صحت کے اعتبار سے یہ کتب درجہ اول کی کتب سے بہت قریب ہیں۔ آپؒ نے درجہ سوم پر حدیث کی ان کتابوں کو رکھا ہے، جن کی مرویات کو علمائے سلف نے روایت تو کیا ہے لیکن ان کی صحت کا کوئی التزام نہیں رکھا ہے۔ مثلاً مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، بیہقی، طبرانی وغیرہ۔ درجہ چہارم میں آپ نے ان احادیث کو رکھا ہے جن کا اتا پتا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ لیکن متاخرین نے ان کو روایت کیا ہے۔ مثلاً کامل ابن عدی مسند الخوارزمی وغیرہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس درجہ بندی کی وجہ سے حدیث کے قالب میں ایک تازہ روح پیدا ہوگئی۔ محققین کے مابین ایک خط امتیاز کھینچ گیا اور غیر محققانہ طرز مطالعہ کا یکسر سد باب ہوگیا۔

علم حدیث کی خدمات جلیلہ کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ کارنامہ بھی کم اہم

---

[1] المسویٰ صفحہ ۹ بحوالہ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ مولانا سندھی صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸

نہیں ہے کہ آپ نے احادیث کی حکمتیں بھی بیان فرمادی ہیں۔ جو شخص حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرے گا اسے حضرت شاہ صاحبؒ کی اس خدمت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔آپ کا دوسرا اہم کام باہم مختلف احادیث کے مابین فنکارانہ مہارت سے تطبیق دینا ہے۔ اکثر احادیث کے درمیان بادی النظر میں تناقض نظر آتا ہے۔لیکن حضرت شاہ صاحب کی تطبیق کے بعد وہ تعارض یا تناقض دور ہو جاتا ہے۔ازالۃ الخفا وغیرہ میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

شاہ صاحب کی خدماتِ حدیث پر علماء کا خراجِ تحسین:

علم حدیث کی ان جلیل القدر خدمات کی بدولت علامہ رشید رضا مصری کو ''مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں علمائے ہند کی علمی خدمات کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فی هذا العصر لقضی عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام و العراق و الحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتی بلغت منتهی الضعف فی اوائل هذا القرن الرابع عشر۔

ترجمہ:۔ اگر ہمارے بھائی علمائے ہند اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف توجہ نہ فرمائے تو مشرقی ممالک سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا۔اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک تو یہ ضعف اپنی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔

علامہ رشید رضا کے اس قول میں علمائے ہند سے مراد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کا لائق صد احترام خانوادہ ہے جس نے علوم حدیث کے احیا ترویج و اشاعت اور تدریس و تبلیغ کے سلسلے میں بے مثال خدمات انجام دیں۔

علامہ عبد الحی ؒ نے نزہتہ الخواطر میں حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مفتی عنایت احمد کاکوروی کا یہ قول بالکل بجا طور پر نقل کیا ہے کہ:

''شاہ ولی ؒ اللہ طوبیٰ کے ایک درخت تھے جس کی جڑیں ان کے گھر میں اور شاخیں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتحیات کے ہر فرد کے گھر میں تھیں۔''

وفات:

آپ ؒ کی وفات ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) کو دہلی میں ہوئی۔ آپ ؒ کی تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے۔

او بو امام اعظم دیں
۱۱۷۶ھ

مر کر بھی نہیں مرتے تجھ جیسے قلندر
تو آج بھی زندہ ہے محمدؐ کے ثناء گر

✿✿✿✿

حیات طیبہ ۔۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نام ونسب :

علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی الاہاشمی۔

ولادت باسعادت:

۱۳ رجب المرجب بروز جمعہ کو کعبۃ اللہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

آپؓ نے نوعمری میں اسلام قبول کیا۔آپ نے آغوش نبوت میں تعلیم وتربیت پائی جب آنکھیں کھولیں تو والضحیٰ کے مکھڑے کی زیارت کی نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے گھٹی دی۔ قبل از اسلام بت پرستی کے داغ سے پاک رہے۔غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات نبوی ﷺ میں شرکت فرمائی۔آپ کا نام عشرہ مبشرہ میں جنتی صحابہ میں سے چوتھے نمبر پر آتا ہے۔سلسلہ نسب دوسری پشت میں نبی ﷺ کے سلسلہ نسب سے جاملتا ہے اور رشتہ میں نبی ﷺ چچازاد بھائی تھے۔آپ کو نبی ﷺ نے دنیا و آخرت میں اپنا بھائی قرار دے دیا تھا۔یہی نہیں بلکہ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرما کر یہ مژدہ عطا فرمایا تھا کہ ”انت منی بمنزلۃ ھرون وموسیٰ“[1] آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کو نبی کریم ﷺ نے اپنی ماں کہہ کے یاد کیا ہے۔آپ نے اعلان نبوت کے اگلے روز بچوں میں سب سے پہلے اس پر لبیک کہہ کر اسلام کو قبول فرمایا۔[2]

---

[1] بخاری، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب فی غزوہ تبوک، جلد نمبر ۴، صفحہ ۱۶۰۲

[2] ترمذی، سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب علی، جلد ۵، صفحہ ۶۴۲

آپ کی ذات گرامی ہے کہ جنہیں نبی ﷺ نے خیبر کے دن یہ کہہ کر جھنڈا عطا فرمایا تھا کہ اللہ اور اسکا رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نگاہ عقابی، ذہن آفاقی سوچ کائناتی اور کردار ملکوتی تھا۔ آپ انتہائی حلیم الطبع منکسر المزاج، متواضع حق گو سراپا زہد وتقوی مجسمہ ورع واستغنیٰ تھے۔ آپ کا کلام حکمت و دانائی کا صحیفہ اور ادب وانشاء کا گنجینہ ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ شجاعت و بہادری، ہمت و جوانمردی کا حوالہ اور شاعری و خطابت، قضا و ادب، صبر وشکر کا اعلیٰ نمونہ تھے، تمام سلاسل طریقت کے اولیاء اقطاب اوتاد، ابدال، افراد اور اغواث۔ آپ کے فیض ولایت اور روحانی تربیت سے حصہ پا گئے ہیں۔ کیونکہ ولایت علیؓ کا اعلان نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ''جس کا میں مولیٰ اسکا علی مولا''۔[1]

آپ کی حیات طیبہ کے جس پہلو پر نظر ڈالی جائے تو آپ ہمہ تن جہت شخصیت کے حامل نظر آتے ہیں یہی نہیں بلکہ اُمت مسلمہ کے لیے آپ کی حیات مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

آپ نے اسلام لانے سے پہلے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔ ہمیشہ شرک سے بچے رہے اور اعلان نبوت کے بعد سب سے پہلے آپ اسلام لائے اور کائنات میں اُمت مسلمہ کے پہلے مسلمان کہلائے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب نبی ﷺ پر ہر طرف سے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ ایسے لمحات میں علیؓ اُٹھے اور کہا، اے دشمنانِ اسلام! تم جس نبی کا انکار کرتے ہو میں سب سے پہلے اس نبی کے کہنے پر اللہ کی توحید کا اعلان کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا ہوں۔ اور آپؓ نے سب سے پہلے نماز ادا فرمائی۔[2]

---

[1] طبرانی، معجم الکبیر، ۱۹۵/۵، حدیث ۵۰۷۱

[2] حاکم، مستدرک، ۱۲۱/۳، حدیث ۴۵۸۷

آپ نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں پرورش پائی۔ اور جب کفار ومشرکین کا ظلم وستم بڑھ گیا انہوں نے نبی ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کرلیا تو اللہ نے وحی کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا آپ ﷺ نے جب مکہ کو چھوڑنے کا ارادہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام امانتیں سپرد کرکے حکم دیا کہ تم تین دن گھر میں آرام کرنا اور لوگوں کی امانتیں لوٹا کے مدینے چلے آنا۔ آپ رضی اللہ عنہ بلاخوف وخطر تشریف فرما رہے۔ ان کا یقین پختہ تھا کہ کفار ومشرکین مجھے تکلیف نہ پہنچاسکیں گے۔ نبی ﷺ نے مجھے بشارت دی ہے۔

آپ لوگوں کی امانتیں لوٹا کر مدینہ تشریف لے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے آخر میں مدینہ منورہ پہنچے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا بارگاہ رسالت میں اعلیٰ مقام تھا کہ جب غزوہ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ نے آپ کو مدینہ میں چھوڑ دیا حضرت علی ﷺ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں پیچھے چھوڑے جارہے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہو جو حضرت ہارون کی حضرت موسیٰ سے تھی البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔[۱]

ایک موقع پر تو نبی ﷺ نے فرمایا" علیؓ مجھ سے اور میں علیؓ سے ہوں۔[۲] نبی ﷺ کو عورتوں میں سے زیادہ محبوب اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ اور مردوں میں حضرت علیؓ تھے۔[۳]

جب آیت مباہلہ " آپ فرمادیں آؤ ہم اپنے بیٹے بلاتے ہیں اور اپنے بیٹوں کو بلاؤ"

۱۔ احمد بن حنبل، مسند، ۱/۱۸۵، حدیث ۱۶۰۸

۲۔ ابن ماجہ، سنن، باب فضل علی بن ابی طالب، جلد ۱، ص ۴۴

۳۔ ترمذی، سنن، کتاب مناقب، باب فضل فاطمہ بن محمد، جلد ۵، ص۔ ۷۷۱

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلایا۔ پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں''۔[1]

حضرت علیؓ کے اہل بیت سے ہونے پر اور بہت سے روایات موجود ہیں۔ آپ کی بہادری کے قصے کو کون نہیں جانتا کہ جب خیبر صحابہؓ سے فتح نہ ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کل جھنڈا اس مرد کو دوں گا جو اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہو۔ اور جس سے اللہ اور اسکا رسول محبت کرتے ہوں گے۔ اور فتح کے بغیر واپس نہیں لوٹے گا۔ اور جب صبح ہوئی فرمایا علیؓ کو بلاؤ اور ان کی چشم آشوب کی تکلیف تھی اپنا لعاب دہن لگایا ان کی آنکھ درست ہوگئی اور جھنڈا انہیں عطا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائی۔[2]

غزوہ خیبر سے واپسی پر راستہ میں نبی اکرم ﷺ نے عصر ادا فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر آرام فرمانے لگے۔ نماز عصر کا وقت ختم ہوا آپ بیدار ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ پریشانی کے عالم میں تھے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عصر رہ گئی فرمایا قضا پڑھنا چاہتے ہیں یا ادا عرض کی اگر ادا ہو جائے تو اسے بڑی بات اور کیا ہوگی۔ نبی ﷺ نے سورج کی طرف اشارہ فرمایا اور دعا کی کہ یا اللہ علی تیرے اور تیری حبیب کے آرام میں مشغول تھا۔ دوبارہ سورج پلٹ آیا آپ رضی اللہ عنہ کے نماز عصر ادا فرمائی۔

امام احمد رضا قادری گویا ہوئے۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے منکر دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

آپ رضی اللہ عنہ کا صبر ایک مرتبہ جنگ کے دوران آپ نے یہودی کو چت

---

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب مناقب الصحابہ، باب مناقب علی بن ابی طالب، جلد ۴، ص۔ 1871

[2] بخاری، صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب علی بن ابی طالب، جلد ۳، ص ۱۳۷۵

گرایا۔ اور اسکے سینے پر چڑھ گئے اس نے آپ کی طرف تھوک دیا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا وہ حیران ہوا آپ نے فرمایا میرا تجھے قتل کرنا اللہ کی رضا کے لئے تھا۔ اب اس میں میری انا بھی شامل ہوگئی ہے۔ وہ شخص آپ کے عمل سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔

جب فتح مکہ ہوا نبی ﷺ حرم میں داخل ہوئے اور آپؓ کو آپ ﷺ نے اپنے کندھوں پر سوار کیا۔ حضرت علیؓ نے تین سو انسٹھ بت گرائے آپ نے عرض کی میں آپ کو اٹھاتا ہوں نبی ﷺ نے فرمایا تم نبوت کو بوجھ نہیں اُٹھا سکتے۔ جب نیچے اُترے تو صحابہ کرامؓ کو کہا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ میں کندھوں پر سوار تھا۔ فرمایا میں اتنی بلندی پر تھا کہ اگر چاہتا تو عرش کو پکڑ سکتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ اپنی لاڈلی شہزادی جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ کا نکاح آپؓ سے کروایا اور فرمایا کہ اللہ نے عرش پر فاطمہ کا نکاح علیؓ سے کر دیا اور میں نے اللہ کے حکم سے فاطمہ کا نکاح علیؓ سے کر دیا۔[۱]

اس نکاح میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ گواہ بنے۔ اور حضرت عثمانؓ نے مالی معاونت فرمائی۔[۲]

نبی اکرم ﷺ کا جب دُنیا سے ظاہری وصال ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند خلافت پر فائز ہوئے۔ آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے ساتھ مل کر نظام خلافت میں معاونت کی۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ جب کوئی معاملہ صحابہؓ سے حل نہ ہوتا وہ آپ کی خدمت میں لیجاتے اور آپ رضی اللہ عنہ اسکا فیصلہ فرماتے۔

۱۔ ھثیمی، مجمع الزوائد، جلد ۹، ص ۲۰۴

۲۔ ملاباقر مجلسی، بحار الانوار، جلد ۱۰، ص ۳۸، طبع مکتبہ صدریہ، نجف اشرف عراق

کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ''میں علم کا شہر ہوں، علیؓ اس کا دروازہ ہے۔''

ایک مرتبہ آپؓ نے فرمایا میرے پاس جبریل دو مرتبہ آتے ہیں نبی ﷺ کے پاس ایک مرتبہ آتے ہیں جب یہ خبر نبی ﷺ تک پہنچی آپ نے بلوایا اور پوچھا کیا تم نے یہ کہا؟ تو آپؓ نے فرمایا ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ ہی نے فرمایا تھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اسکا دروازہ ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں جانے والا دروازے سے جاتا ہے اور واپسی بھی تو دروازے سے ہی نکل کے جاتا ہے۔ آپؓ کی بات سن کر نبی ﷺ نے تبسم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپؓ مسند خلافت پر فائز ہوئے تو بہت سے چیلنجز کا سامنا تھا۔ اسی دوران جنگ صفین ہوئی اور جنگ جمل کا بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ جنگ صفین کے نتیجے میں ایک نیا خوارج کا گروہ معرض وجود میں آیا حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے قتل پر متفق ہوگیا۔ اور ایسا ہونا تو فرمان نبی ﷺ کی روشنی میں ہی تھا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ علیؓ ایک گروہ تیری محبت میں غلو کرے گا وہ گمراہ ہو جائیگا اور ایک گروہ تجھ سے دشمنی کر کے گمراہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی خوارج کے گروہ میں سے ایک بد بخت ابن ملجم نامی شخص نے صبح کی نماز کے دوران آپ پر وار کیا اور آپ حضرت ضربِ شدید کی تاب نہ لاتے ہوئے ۲۱ رمضان المبارک صبح وقت سحر شہادت کے منصب پر فائز ہو گئے۔ حسنین کریمین نے غسل دیا اور حضرت حسن مجتبیٰؓ نے جنازہ کی امامت فرمائی۔

کسے را میسر کہ شد ایں سعادت ۔ بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

میں نے چند سطور ذکر علیؓ عبادت سمجھ کر لکھی ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مجھے غلامانِ اہلبیت میں قبول فرمائے۔

گدائے کوچہ اہل بیت محمد ایوب آزاد

استمبر ۲۰۱۴، ٹائم 1:31 شب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَمَّا بَعۡدَ الۡحَمۡدِ وَالصَّلٰوۃِ فَھٰذِہٖ اَرۡبَعُوۡنَ حَدِیۡثًا مُسۡنَدَۃً بِالسَّنَدِ الصَّحِیۡحِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ مَبَانِیۡھَا یَسِیۡرَۃٌ وَمَعَانِیۡھَا کَثِیۡرَۃٌ لِیَدۡرِ سَھَا رَاغِبُ خَیۡرٍ رَجَاءَ اَنۡ یُدۡخَلَ فِیۡ زُمۡرَۃِ الۡعُلَمَاءِ لِقَوۡلِہٖ عَلَیۡہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَاءُ۔

ترجمہ: ''حمدِ الٰہی اور درودِ مصطفائی کے بعد عرض ہے کہ یہ چالیس حدیثیں سندِ صحیح کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف مستند ہیں۔ ان کے لفظ تھوڑے ہیں اور معنی بہت تاکہ انہیں خیر کا شائق پڑھے اس امید کے ساتھ کہ وہ طبقہ علماء میں شامل کرلیا جائے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کے بموجب کہ جس نے یاد رکھیں۔''

مَنۡ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیۡ اَرۡبَعِیۡنَ حَدِیۡثًا فِیۡ اَمۡرِ دِیۡنِھَا بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فَقِیۡھًا وَ کُنۡتُ لَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ شَافِعًا وَشَھِیۡدًا۔

ترجمہ: ''میری امت میں سے چالیس حدیثیں دین کے بارے میں تو اللہ اسے فقیہ کی حیثیت سے اٹھائے گا اور میں اس کی طرف سے قیامت کے دن شافع اور گواہ ہوں گا۔

قَالَ الۡفَقِیۡرُ وَلِیُّ اللّٰہِ عفی عنہ شَافَھَنِیۡ اَبُوۡا الطَّاھِرِ الۡمَدَنِیُّ عَنۡ اَبِیۡہِ الشَّیۡخِ اِبۡرَاھِیۡمَ۔ الۡکُرۡدِیِّ عَنۡ زَیۡنِ الۡعَابِدِیۡنَ عَنۡ اَبِیۡہِ عَبۡدِ الۡقَادِرِ عَنۡ جَدِّہٖ یَحۡیٰ عَنۡ جَدِّہِ الۡمُحِبِّ عَنۡ

عَمِّ اَبِیْهِ اَبِیْ اَیْمَنِ عَنْ اَبِیْهِ شِهَابِ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیِ الدِّیْنِ عَنْ اَبِی الْقَاسِمِ عَنِ السَّیِّدِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ۔

ترجمہ: ''کہتا ہے فقیر ولی اللہ عفی عنہ کہ میرے سامنے روایت کی ابوطاہر مدنی نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی ہے۔'' اور اُنہوں نے زین العابدین سے اور اُنہوں نے اپنے والد عبدالقادر سے اور اُنہوں نے اپنے دادا یحیٰ سے اور اُنہوں نے اپنے دادا محب سے اور اُنہوں نے اپنے باپ کے چچا ابی ایمن سے اور اُنہوں نے اپنے والد شہاب احمد سے اور اُنہوں نے اپنے والد رضی الدین سے اور اُنہوں نے ابوالقاسم سے اُنہوں نے سید ابومحمد سے۔

عَنْ وَالِدِہٖ اَبِی الْحَسَنِ عَنْ وَالِدِہٖ اَبِیْ طَالِبٍ عَنْ اَبِیْ عَلِیٍّ عَنْ وَالِدِہٖ مُحَمَّدٍ زَاهِدٍ عَنْ وَالِدِہٖ اَبِیْ عَلِیٍّ عَنْ اَبِی الْقَاسِمِ عَنْ وَالِدِہٖ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَنْ وَالِدِہٖ الْحُسَیْنِ عَنْ وَالِدِہٖ جَعْفَرَ عَنْ اَبِیْهِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِیْهِ زَیْنِ الْعَابِدِیْنَ عَنْ اَبِیْهِ الْاِمَامِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْهِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: ''اور اُنہوں نے اپنے والد ابوالحسن سے اور اُنہوں نے اپنے والد ابوطالب سے اور اُنہوں نے ابوعلی سے اور اُنہوں نے اپنے والد محمد زاہد سے اُنہوں نے اپنے والد ابوعلی سے اور اُنہوں نے ابوالقاسم سے اور اُنہوں نے اپنے والد ابومحمد سے اور اُنہوں نے اپنے باپ حسین سے اور اُنہوں نے اپنے والد جعفر سے اور اُنہوں نے اپنے والد

عبداللہ سے اور اُنہوں نے اپنے والد زین العابدین سے اور اُنہوں نے اپنے والد امام حسین سے اور اُنہوں نے اپنے والد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے کہ: اُنہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(نوٹ) اسے روایت مسلسل کہتے ہیں عربی میں لفظ عن، اُردو میں لفظ اور سے بلا اطف آتا ہے۔

اور اس چہل حدیث کو ایک مزید شرف یہ بھی حاصل ہے کہ اس کی ساری روایتوں کا سلسلہ جا کر حضرت علیؓ پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی آخری راوی امیر المومنین حضرت علیؓ ہیں۔

حدیث نمبر (۱)

لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَةِ۔[۱]

ترجمہ: ''سننا دیکھنے کی طرح نہیں''۔

تشریح:

شنید دید کے برابر نہیں ہے، یعنی سننا دیکھنے کی طرح نہیں ہے، فارسی کا مشہور مقولہ ہے، ''شنیدہ نبود مانند دیدہ'' یہ حدیث اِس بات کو واضح کرتی ہے کہ خبر وروایت میں اعتبار میں اور تحقیق میں رؤیت ومشاہدہ کے برابر نہیں ہے، انسان اگر ہر سنی سناتی بات کو دلیل نہ بنائے اور تیقن کے برابر نہ رکھے تو برے ظن سے غیبت سے اور چغلی وغیرہ سے بچا جاسکتا ہے، اِسی واسطے اسلام میں جہاں بھی گواہی وشہادت کا تعلق ہے، وہاں ضروری ہے کہ گواہ عینی ہو، یعنی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے، زنا ہو، نکاح ہو قتل ہو یا کوئی اور معاہدہ ہو گواہی اور شہادت اُسی وقت معتبر ہوگی جب گواہ نے سارا معاملہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہو اور وہ اُس وقت ہوش حواس بھی رکھتا ہو یعنی گمان اور خواب وغیرہ نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نشانِ منزل ہے، اِنسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات کو

---

[۱] (۱) المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر فی سورۃ الاعراف، حدیث نمبر ۳۲۵۰، جلد ۲، صفحہ ۳۵۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۲) مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۲۴۴۷، جلد ۴، صفحہ ۲۶۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

آگے پھیلا دے۔ ضروری ہے کہ وہ بات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو یا پھر جانچ پڑتال اور تحقیق و تفتیش کے بعد جب بات متحقق ہو جائے تو تب کسی پر فردِ جرم عائد ہو یا اُس بات کا یقین کر کے کوئی حکم جاری کیا جائے۔

آج کے دور میں لوگ اپنے من کی آگ بجھانے کے لیے یا پھر ذاتی عداوت یا انتقام کی وجہ سے کسی انسان کے متعلق غلط خبریں پھیلا دیتے ہیں، جب تک تحقیق و تفتیش یا عینی گواہی حاصل نہ ہو کسی پر کوئی الزام یا جرم عائد نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر پھیلائی گئی بات تحقیق و تفتیش سے یا عینی گواہی سے ثابت نہ ہو تو غلط بات پھیلانے والے اور الزام لگانے والے کو شریعت کی رُو سے بہتان لگانے پر حد جاری ہوگی۔

❁❁❁❁

حدیث نمبر (۲)

(وَبِہٖ) اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ[۱]

ترجمہ: ”(اور اسی سند سے) جنگ دھوکے کا نام ہے۔“

تشریح:

وبہ سے مراد ہے کہ جس سلسلہ اسناد سے ماقبل روایت سے نقل ہوئی ہے اُسی سے یہ روایت بھی آئی ہے محدثین حدیث کے ساتھ اس کا دھرانا بھی ہر بار ضروری سمجھتے ہیں۔

---

[۱] ۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد و السیر باب الحرب خدعة
حدیث نمبر ۲۸۶۵، جلد ۳، صفحه ۱۱۰۲، دارین کثیر یمامه بیروت

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد و السیر باب جواز الخداع فی الحرب
حدیث نمبر ۴۶۳۸، جلد ۵، صفحه ۱۴۳، دار الجیل بیروت

عموماً جنگیں دو طرح کی لڑی جاتی ہیں، اللہ کی رضا کیلئے اور دُنیاوی مقاصد کیلئے۔ اسلام میں جنگ کی بنیاد تمام تر حق و حقانیت صدق و اخلاص پر ہے۔ کیونکہ مجاہد شوق شہادت سے سرشار ہوتا ہے۔ اور اس کا مقصد دین اسلام کی عظمت کی خاطر اپنی جان کا ندرانہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کا حصول مقصود ہوتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ اے اللہ کے رسول کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کی غرض سے جہاد کرتا ہے اور کوئی شہرت حاصل کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے اور کوئی (بہادری میں) اپنا مرتبہ دکھانے کے لئے جہاد کرتا ہے ان میں سے کون سا شخص راہِ خدا میں ہے؟

آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جو اس لیے جہاد کرتا ہے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو کر رہے بس وہی اللہ کی راہ میں ہے۔

(رواہ البخاری ۱/ ۳۹۴، ابو داؤد ۱/ ۳۸۴۸، نسائی ۲/ ۵۷، ابن ماجہ ص ۲۰۰، الترغیب و الترھیب ج ۲، ص ۲۹۶)

اس سے پتہ چلا کہ جہاد اسلامی میں بنیاد صدق و اخلاص پر مبنی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جہاد اسلامی میں اخلاقی قانون کی پابندی بھی لازمی ہے۔

ابن عمر فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو نبی ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔

(صحیح مسلم ۲/ ۸۴، جامع ترمذی ۱/ ۱۹۰، مجمع الزوائد ۵/ ۳۱۶)

جبکہ عام طور پر جو جنگیں لڑی جاتی ہیں ان میں مقصود ہر صورت میں فتح و کامیابی ہوتی ہے اس لیے دھوکہ دہی سے کام لیا جاتا ہے اور اخلاقی قدروں کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث نمبر (۳)

(وَبِہٖ) اَلْمُسْلِمُ مِرْآۃُ الْمُسْلِمِ۔[۱]

ترجمہ: ''ایک مسلم دوسرے مسلم کا آئینہ ہے۔

تشریح:

بندۂ مومن کا دل دوسرے کی طرف سے آئینہ کی طرح صاف و بے غبار ہوتا ہے جب وہ اپنے مومن بھائی کو دیکھتا ہے تو اسے اپنا عکس دکھائی دیتا ہے پھر اگر اسے اپنے بھائی میں کوئی عیب بھی دکھائی دیتا ہے تو وہ اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا'' جس نے کسی مسلمان کی دنیا میں عیب پوشی کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیبوں پر درگزر فرمائے گا۔

نبی ﷺ تشریف فرما تھے ابو جہل آیا اور اس نے کہا کہ آپ جیسا بدترین کوئی نہیں ہے (العیاذ اللہ) آپؐ نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔ کچھ دیر گذری تھی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ جیسا حسین کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے بھی سچ کہا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی اے اللہ کے نبی ﷺ یہی جواب آپ نے ابو جہل کو دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں آئینہ کی طرح ہوں مجھے جو دیکھتا ہے اسے اپنا ہی عکس نظر آتا ہے۔

---

[۱] ا۔ کنز العمال فی سنن الافعال والاقوال

حرف الھمزہ باب الاول الفصل السابع فی صفات المؤمن

مؤسسۃ الرسالہ بیروت

حدیث نمبر (۴)

(وَبِہٖ) اَلْمُسْتَشَارُ مُؤتَمَنٌ۔[۱]

ترجمہ: ''جس سے مشورہ کیا جائے اُسے امانداری لازم ہے۔''

تشریح:

اس حدیث طیبہ میں تاکید ہے اخلاص کی۔ جو تم سے مشورہ چاہے تو اسے خلوص دل سے دو اور اس کے راز دوسروں پر ظاہر نہ کرو۔

مشورہ کا معنیٰ: بعض کا بعض کی طرف رجوع کرنا ان کی رائے کو حاصل کرنا۔

قرآن مجید میں ہے: "وامرھم شوریٰ بینھم" اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۲۷۰، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

مشورہ کے ذریعہ سے مختلف آراء ظاہر ہوتی ہیں اور مشورہ طلب کرنے والا مختلف آراء میں غور و فکر کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کس کی رائے کتاب و سنت۔ حکمت اور محل کے لحاظ سے بہتر ہے۔ پھر وہ درست رائے پر عمل کرتا ہے۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مشورہ کرنے کا حکم اسلئے نہیں دیا کہ حاجت تھی بلکہ اسلئے کہ تعلیم عام ہو جائے اور اُمت کو مشورہ کی فضیلت کا علم ہو۔

مشورہ کرنے کی اہمیت: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ''نبی ﷺ'' نے فرمایا

---

[۱] ۱۔ سنن الترمذی، کتاب الادب باب المستشار موتمن
حدیث نمبر ۲۸۲۲، جلد ۵، صفحہ ۱۲۵، دار احیاء الثراث العربی بیروت
۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب باب المستشار موتمن
حدیث نمبر ۳۷۴۵، جلد ۲، صفحہ ۱۲۳۳، دار الفکر بیروت

جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس میں کسی مسلمان سے مشورہ کرے اللہ تعالیٰ اسے درست کام کی ہدایت دے دیتا ہے۔ (مجمع الزوائد للھیثمی ج ۸، ص ۹۶، دالکتاب العربی)

علامہ سید محمد آلوسی لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول مشورہ سے مستثنیٰ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشوری کو میری امت کے لئے رحمت بنا دیا۔ (روح المعانی ج ۴، ص ۱۰۷)

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی القرطبی لکھتے ہیں، حضرت سہل بن سعد الساعدی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جو بندہ مشورہ لے وہ کبھی بد بخت نہیں ہوتا جو بندہ خود رائے ہو اور دوسروں کے مشوروں سے مستغنی ہو وہ کبھی نیک بخت نہیں ہوتا۔

مشورہ کس سے کیا جائے:۔ بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ کسی تجربہ کار شخص سے مشورہ لینا چاہئے کیونکہ وہ تم کو ایسی چیز بتلائے گا جس میں وہ اکثر کامیاب رہا ہوگا۔ امام اور خلیفہ کو نصب کرنا کس قدر اہم مسئلہ تھا لیکن حضرت عمر بن خطابؓ نے اس کو ارباب عقل و دانش کے باہمی مشورہ اور اتفاق پر چھوڑ دیا۔

امام بخاری نے کہا کہ نبی ﷺ کے بعد آئمہ مباح کاموں میں امین لوگوں اور علماء سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

سفیان ثوری نے کہا متقی اور امانت دار شخص سے مشورہ لینا چاہیے۔

حسن بصری نے کہا خدا کی قسم جو لوگ مشورہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی صحیح حل کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۴، ص ۲۵۱، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرہ ایران)

حدیث نمبر (۵)

(وَبِہٖ) اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ۔[۱]

ترجمہ: ”نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی اس کے کرنے والے کے برابر ہے۔“

تشریح:

شریعت اسلامی میں نیکی کا حکم، بُرائی سے روکنا فرض کفایہ ہے، جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کرلیں تو باقیوں سے ساقط ہو جاتا ہے اور جب سب لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ترک کر دیں تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔

نیکی کا حکم دینا اور برُائی سے روکنا قرآن کی روشنی میں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے :(۱) ولتکن منکم اُمة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ”(ال عمران ۔ ۱۰۴) اور تم میں سے ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائیں نیکی کا حکم دیں اور برُائی سے روکیں“(۲) کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (آل عمران ۔ ۱۱۰)”ان سب اُمتوں میں جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم بہترین اُمت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برُائی سے روکتے ہو۔“

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی فضیلت احادیث طیبہ کی روشنی میں:

حضرت ابو عجلعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیکی کا حکم دیتے رہو اور برُائی سے روکتے رہو کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے،

---

[۱] سنن الترمذی، کتاب العلم، باب الدال علی الخیر کفاعلہ حدیث نمبر ۲۶۷۰، جلد ۵، صفحہ ۴۱، دار احیاء التراث بیروت

خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے، دُنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور لوگوں کی فکر چھوڑ دو“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ تم اگر خیر الامم میں سے بننا چاہتے ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص خلافِ شریعت کام دیکھے تو اپنے ہاتھوں سے اس کی اصلاح کرے اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کا رد کرے اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اسے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جو شخص کسی بُرائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے مٹائے۔“

صوفیاء اسلام کی ساری زندگی قرآن کی اس آیت کی عملی تفسیر بنی رہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام میں نیکی کا حکم دینا، بُرائی سے روکنا تو نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے اور اس کے مختلف مراتب ہیں لیکن اپنی جان کی حفاظت کا خیال بھی ضروری ہے مثال کے طور پر کوئی شخص بھتہ یا جبری ٹیکس یا لوٹ مار سرِ عام کرے اور دیکھنے والے کو بُرائی کو ہاتھ سے مٹانا اور زبان سے روکنا دونوں میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو اس کے لیے خاموشی جائز ہے۔ اب کوئی شخص نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کی وجہ سے نیکی کرنا شروع کر دیتا ہے اور بُرائی سے رُک جاتا ہے۔ مثلاً کسی کے کہنے کی وجہ سے کوئی نمازی بن جاتا ہے، روزہ رکھنا، سچ بولنا شروع کر دیتا ہے، حرام سے بچ جاتا ہے تو اس کی طرف شوق و ترغیب دلانے والا بھی اللہ کے ہاں ثواب سے محروم نہیں رہتا ہے۔ داعی خیر بھی اجر میں فاعل خیر کا شریک ہو گا، اسلام خیر ہی کا نہیں بلکہ خیر اجتماعی کا بھی حریص ہے۔۔

واللہ اعلم بالصواب

حدیث نمبر (۶)

(وَبِہٖ) اِسْتَعِیْنُوْا عَلَی الْحَوَائِجِ بِالْکِتْمَانِ۔ [۱]

ترجمہ: "ضرورتوں میں مدد چاہو چھپا کر۔"

تشریح:

انسان اپنی ضرورتوں میں دوسروں کی مدد کا محتاج رہتا ہی ہے۔ لیکن اسے چاہیے کہ وہ بلا ضرورت سوال نہ کرے اور معاونت کرنے والے کو بھی چاہیے کہ وہ یہ عمل استعانت چپکے چپکے سے جاری رکھے۔ بلا ضرورت اس کا چرچا نہ کرتا پھیرے۔

اسلام میں سوال کرنے یک شرعی حیثیت:

والذین فی اموالھم حق معلوم. للسائل والمحروم۔ (القرآن، معارج، ۲۵۔۲۴)

"اور جن کے مالوں میں مقرر حصہ ہے، سوال کرنے والوں کے لیے اور سوال سے رکنے والوں کے لیے۔"

ان آیات طیبات میں اللہ نے مال عطاء کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ سوال کرنے والوں کو مال عطا کریں اور مال عطا کرنے والوں کی تحسین فرمائی اور ضرورت مندوں

---

[۱] ۱۔ شعب الایمان للبیھقی، بلفظ استعینوا علی نجاح الحوائج بالکتمان
باب الثالث والاربعون من سعب الایمان،
حدیث نمبر ۶۶۵۵، جلد ۵، صفحہ ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۔ المحجم الکبیر للطبرانی، بلفظ علی انجاح
باب المیم، حدیث نمبر ۱۶۹۴۰، جلد ۲۰، ص ۹۴
مکتبۃ العلوم والحکم، بیروت

کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی ضرورت کے لیے لوگوں سے سوال کریں بلکہ ان لوگوں کی تحسین فرمائی جو ضرورت کے باوجود بھی سوال کرنے سے رُکے رہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سوال نہ کرنے سے رُکے رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ہاں البتہ تین قسم کے لوگوں کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔

حضرت قبیصہ بن فاروق بیان کرتے ہیں میں کسی کے ذمہ رقم کا کفیل تھا میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور آپ سے قرض کی ادائیگی کے لیے سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا تم ہمارے پاس ٹھہرو۔ حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے پھر ہم تمہیں اس میں سے دینے کا حکم دیں گے۔ پھر فرمایا اے قبیصہ سوال کرنا صرف تین شخصوں میں سے کسی ایک کے لیے جائز ہے۔

پہلا وہ شخص جو کسی کی طرف سے جائز ادائیگی کا کفیل ہو۔ اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ وہ کفالت کی رقم حاصل کرے۔

دوسرا وہ شخص جس پر کوئی ناگہانی آفت آجائے جس کی وجہ سے اس کے سارے مال کا نقصان ہو جائے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے تاکہ اس کی گذر اوقات کا سبب مہیا ہو جائے۔

تیسرا وہ شخص جو تین دن فاقہ سے ہو اور اس کی قوم کے تین افراد اس کے فاقہ زدہ ہونے کی گواہی دے دیں اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے علاوہ کسی بھی صورت میں سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ سوال کرکے کھائے گا تو حرام کھائے گا"

(امام مسلم، الجامع الصحیح للمسلم ؛ حدیث ۱۰۴۴، احمد بن حنبل، مسند احمد، ۱۴۷۷۳)

سائل کی تعریف: سائل اس شخص کو کہتے ہیں جو ضرورت مند ہو اور اپنی ضرورت کا دوسروں سے سوال کرے۔

محروم کی تعریف: ''محروم سے مراد وہ شخص ہے جو ضرورت مند ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتا اور اپنی عزت نفس کو قائم رکھتا ہے۔''

جب کوئی شخص مال عطا کرے تو اس کو لے لینا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ نے کہا جو شخص مجھے ہدیہ دے تو میں لے لیتا ہوں لیکن اس کا سوال نہیں کرتا۔

نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جب تمہارے پاس اس مال میں سے کوئی چیز آئے تو اسے لے لو۔'' (صحیح بخاری۔ ۱۴۷۳)

علامہ ابن الحسن ابن نظامی مالکی قرطبی لکھتے ہیں۔

یہ صدقات کے اموال میں سے نہیں تھا بلکہ یہ ان اموال میں سے تھا جو نبی ﷺ مسلمان اغنیاء اور فقراء دونوں میں تقسیم فرماتے تھے یہ اموال آپ ﷺ ان کو فقر کی وجہ سے نہیں عطا فرماتے تھے بلکہ ان کے حقوق کی وجہ سے عطاء فرماتے تھے''

اور اغنیاء کو حکم دیا گیا کہ وہ چپکے سے مدد کا عمل جاری رکھیں اس کی تشہیر نہ کریں اس سے دوسرے کی عزت نفس مجروح ہوگی، جو کہ کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہے۔ اور چپکے سے معاونت جاری رکھنا ہی رضاء الٰہی کے حصول کا باعث ہے۔ اور دکھلاوا اور ریاکاری اعمال کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔

حدیث نمبر (۷)

(وَبِهٖ) اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ [1]

ترجمہ: ''دوزخ سے بچو آدھے چھوہارے ہی سے سہی''۔

تشریح:۔

دوزخ سے بچو کیونکہ اس میں دیا جانے والا عذاب بہت سخت ہے۔ اور نیکی کے ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو بھی حقیر نہ سمجھو آدھا چھوہارا مقدار و تعداد کے لحاظ سے بہت تھوڑا ہے مقصد یہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ عمل صالح سے دریغ نہ کرو تمہیں کیا خبر کہ شاید تمہاری نجات اسی حقیر سے عمل کی وجہ سے ہو جائے جسے تم نے چھوڑ دیا ہے۔

نبی ﷺ نے خود دوزخ سے پناہ اور جنت کے حصول کی دعا کی۔

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں انہوں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ جب عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھہر کر اس سے پناہ مانگتے اور جب بھی رحمت کی آیت پڑھتے تو ٹھہر کر اس کی دعا کرتے تھے۔

(۱) سنن نسائی ۱/۱۵۶، نور محمد کتب خانہ کراچی، (۲) سنن ابو داود ۱/۲۲۹، حدیث ۸۷۳، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، (۳) مسند احمد ۶/۱۱۹ مطبوعہ دار الکتب الاسلامی، بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی یہ دعا ہوتی تھی! اے اللہ ہم تجھ سے تیری رحمت کے موجبات اور مغفرت کے موکدات کا سوال کرتے ہیں اور ہر گناہ سے محفوظ رہنے کا اور ہر نیکی کے حصول کا اور جنت کی کامیابی کا اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات کا۔

(المستدرک للحاکم ج ۱، ۵۲۵ مطبوعہ دار لباز مکہ مکرمہ)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اتقوا النار و لو بشق تمرو العلیل من الصدقه حدیث ۱۳۵۱، جلد ۲، صفحہ ۵۱۴، دار ابن کثیر الیمامہ، بیروت

یاد رہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم امت کے لئے جنت کے حصول اور دوزخ سے نجات کی دُعا فرمائی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس مقام پر آج جلوہ گر ہیں تو وہ جنت کا ٹکڑا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے منبر اور گھر کے درمیان جو جگہ ہے جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے (۱) صحیح مسلم ۲/۱۰۱۰ مطبوعہ بیروت، (۲) سنن کبریٰ للبیہقی ۵/۲۴۶)۔

دوزخ سے پناہ مانگنے کی فضیلت اور حصول جنت کی دُعا کی فضیلت:

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ سے تین بار جنت کا سوال کیا۔ جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کردے اور جس نے تین بار جہنم سے پناہ طلب کی جہنم کہتی ہے اے اللہ اس کو جہنم سے پناہ میں رکھ۔ (سنن ترمذی ج ۴، ص ۷۰ دارالاحیاء التراث العربی بیروت، سنن ابن ماجہ ۲/۱۴۵۲ دارالاحیاء التراث العربی بیروت، المستدرک ۱/۵۳۵ مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ) دوسری بات یہ ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جسے بخشنا چاہے اسے معمولی سے عمل سے بھی بخش دے گا اور جسے گرفت فرمانا چاہیے تو ساری زندگی کے اعمال اس کے منہ پہ مار دے گا اسے لئے کسی بھی عمل صالح کو معمولی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے۔

حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پچھلی امتوں میں ایک ایسا مومن تھا کہ جس نے اپنے بچوں کو مرتے وقت وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو تم لوگ میری لاش کو جلا دینا تو میری راکھ کو کچھ دریاؤں میں ڈال دینا اور کچھ خشکی میں اڑا دینا چنانچہ اس کے لڑکوں نے وصیت پہ عمل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کے تمام ذرات کو جمع کر دیا اور اس سے فرمایا کہ اے میرے بندے! تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی؟ تو اس بندہ مومن نے عرض کیا الٰہی میں نے تیری خوف سے ایسا کیا تھا میں نے ناقص عقل سے سمجھا تھا کہ اگر میرے جسم کے ذرات ایسے بکھر جائیں گے تو پھر میں اللہ کے دربار میں حاضری سے بچ جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے بندے! تیرے اس خوف کی وجہ

سے میں نے تجھے بخش دیا۔ (امام ولی الدین عراقی مشکوٰۃ ص ۲۰۷)

حدیث نمبر (۸)

(وَبِهٖ) اَلدُّنيَا سِجنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الكَافِرِ۔ [۱]

ترجمہ: ''دُنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔''

تشریح:

مومن کو جو نعمتیں آخرت میں نصیب ہونا ہیں ان کے مقابلہ میں یہ تنگنائے دنیا اس کے لئے جیل خانہ یا کال کوٹھڑی ہی ہے کافر جو آخرت کی نعمتوں سے محروم ہے اسے کہو کہ یہیں جشن منالے جو جشن منانا ہے۔ایک معنی اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مومن کے لئے دنیا میں طرح طرح کی پابندیاں ہیں شریعت کی حدود قیود ہیں جبکہ منکر یہاں جانوروں کی طرح بے کھٹکے ہر طرف چلتا پھرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا تم دنیا میں اسطرح رہو جیسے مسافر ہو یا سڑک پار کرنے والے۔

حضرت ابن عمرؓ یہ کہتے تھے کہ جب شام ہو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے لئے عمل کر لو اور زندگی میں موت کے لئے عمل کرلو۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۴۱۶)

---

[۱] ۱۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابه، باب معرفة سلمان الفارسی، حدیث ۶۵۴۵، جلد ۳، صفحه ۶۹۹، دار الکتب العلمیه، بیروت
۲۔ شعب الایمان للبیقهی، باب السبعون من شعب الایمان فصل ایُّ الناس اسد بلاء، حدیث نمبر ۹۷۹۷، جلد ۷، صفحه ۱۴۸، دار الکتب العلمیه، بیروت

حضرت علیؓ نے فرمایا دنیا سفر کرتی ہوئی جا رہی ہے اور آخرت سفر کرتی ہوئی آ رہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں تو تم ابن الآخرت ہو ابن الدنیا نہ بنو کیونکہ آج عمل کا موقع ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل کا موقع نہیں ہوگا۔
(صحیح بخاری ۶۴۱۶)

اللہ کے نزدیک دُنیا کی حیثیت:

دُنیا کی حیثیت تو اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر نہیں ہے۔
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس میں سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (سنن ترمذی، حدیث ۲۳۳۰)

حضرت ابوطلحہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنا پیٹ کھول کر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے بندھے ہوئے دو پتھر دکھائے۔ (سنن ترمذی، حدیث ۲۳۷۱)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ایک چمڑا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۶۴۵۶)

آقا علیہ السلام نے فقر کو پسند فرمایا اور دنیا سے بے رغبتی اختیار فرمائی اگر آپ چاہتے تو احد پہاڑ سونا بن جاتا مگر آپ نے قناعت فرمائی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

مالک کونین ہیں کچھ پاس رکھتے ہی نہیں
دونوں جہانوں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حدیث نمبر (۹)

(وَبِهٖ) اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهٗ۔ ۱؎

ترجمہ: "حیا سراپا خیر ہی خیر ہے۔"

تشریح:

حیاء کا لغوی معنی: کسی کام کے کرنے سے انسان کو یہ خوف ہو کہ اس کام پر اس کو ملامت کی جائے گی اور اس وجہ سے اس کام کو کرنے سے اس کے اندر گھٹن کی کیفیت پیدا ہونا حیاء کہلاتا ہے۔

حیاء کا شرعی معنی: حیاء وہ وصف ہے جو انسان کو برے کام سے اجتناب پر ابھارے اور حقدار کے حق میں تقصیر کرنے سے روکے۔

(امام بن حجر عسقلانی فتح الباری ۱/۵۲۹، دار المعرفہ بیروت)

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا "ایمان کی ساٹھ سے زائد شاخیں ہیں اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث ۳۵، سنن ابو داؤد، حدیث ۴۶۷۶، سنن ترمذی، حدیث ۲۶۱۴، سنن نسائی، حدیث ۵۰۲۱)۔

اس حدیث مبارکہ میں حیاء کا نام لے کر ذکر کیا گیا کیونکہ حیاء کرنے والا دنیا اور

۱؎ (۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان باب شعب الایمان

حدیث ۱۶۶، جلد ۱، صفحہ ۴۷، دار الجیل، بیروت

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب فی الحیاء

حدیث ۴۷۹۸، جلد ۴، صفحہ ۴۷۹۸، دار الکتاب العربی، بیروت

آخرت کی رسوائی سے ڈرتا ہے۔ اسلئے کہ وہ نیک کاموں کو کرتا ہے اور تمام برے کاموں سے بچتا ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بوڑھا شخص صحیح عمل کرتا ہو اور پابندی سے سنت پر عمل کرتا ہو اللہ تعالیٰ کو اس سے حیا آتی ہے کہ وہ سوال کرے اور اللہ اس کو نہ دے۔ (امام سیوطی، جامع الاحادیث الکبیر ۲/۳۰۹ دارالفکر بیروت)

حضرت سلمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بے شک تمہارا رب حیادار کریم ہے جب بندہ اس کی طرف دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لٹانے سے حیا فرماتا ہے۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیاء خیر ہی خیر ہے یہی حیاء ہے جو انسان کو چوپایوں سے ممتاز کرتی ہے اور حیاء ہی سے انسان ہر شر سے بچتا ہے اور ہر نیکی کی جڑ بھی حیا ہے اور بندۂ مومن حیاء کے وصف سے متصف ہوتا ہے۔

حدیث نمبر (۱۰)

(وَبِهٖ) عِدَةُ الْمُؤْمِنِ كَاَخْذِ الْكَفِّ۔ [۱]

ترجمہ: ''مومن کا (زبانی) وعدہ اس کے ہاتھ مارنے کے برابر ہے۔''

تشریح:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

---

[۱] کنز العمال، سنن الافعال والاقوال، بلفظ وعدة المومن كالاخذ باليد كتاب الاخلاق۔ باب فی الاخلاق والافعال المحمودة۔۔ فی تعديد الاخلاق المحمودہ، حدیث۔ ٦٨٧٠، جلد۔ ۳، ص۔ ۳۴۷، مؤسسة الرساله بيروت

وَاَوفُوا بالعهد ان العهد کان مسئولاً۔ (بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۴)

اور عہد پورا کرو بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

آیۃ کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ وعدہ پورا کرنا مومن کی نشانی ہے اور وعدہ پورا نہ کرنے پر حدیث طیبہ میں مذمت کی گئی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" قیامت کے دن عہد شکن کے لئے جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ اسکی عہد شکنی ہے۔"
(صحیح بخاری حدیث ۶۱۷۷، صحیح مسلم حدیث ۱۷۳۵)

عہد شکنی کرنے والوں کے لئے پانچ سزائیں:

(۱) ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (۲) آخرت میں اللہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا (۳) قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہیں فرمائے گا (۴) ان کا تزکیہ نہیں فرمائے گا (۵) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس حدیث طیبہ میں مومن کا (زبانی) وعدہ اس کے ہاتھ مارنے کے برابر۔ فرمایا۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ مومن جب کہہ دیتا ہے وہ اپنے کہے کا پاس رکھتا ہے جیسے کہ اس نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کوئی پکا وعدہ کر لیا ہو" اور مومن کی ہر بات پتھر پر لکیر ہونی چاہیے۔ کیونکہ جھوٹا کبھی مومن نہیں ہو سکتا ہے۔

حدیث نمبر (۱۱)

(وَبِہٖ) لَا یَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ۔[1]

ترجمہ: ''نہیں ہے جائز کسی مومن کے لیے کہ وہ چھوڑے رکھے اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ۔''

تشریح:

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ناراض رہے، دونوں باہم ملیں یہ اس سے منہ موڑے اور وہ اس سے منہ موڑے ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے اس حدیث پاک کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ نووی قمطراز ہیں۔

کہ علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرنا جائز نہیں ہے البتہ تین دن تک ترک تعلق رکھنا جائز ہے اور تین دن کے لیے ترک تعلق اس لیے معاف کیا گیا ہے کہ غضب اور غصہ انسان کی فطرت میں ہے اور تین دن میں غیظ و غضب کم ہو جاتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے بعض علماء تین دن کے لیے بھی ترک تعلق کے قائل نہیں ہیں۔

(علامہ یحییٰ بن شرف نووی، شرح مسلم ۲/ ۳۱۶، نور محمد اصح المطابع کراچی)

---

[1] صحیح بخاری، بلفظ لا یحل لمسلم، کتاب الادب باب ماینهی عن التحاسد و التدابر، حدیث ۵۷۱۸، جلد ۵، صفحه ۲۲۵۳،
دار ابن کثیر یمامه، بیروت، ومسلم بلفظ البخاری

تین دن سے زیادہ ترک تعلق پر جواز:

تین دن سے زیادہ جس ترک تعلق کی ممانعت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ حقوق معاشرتی یا حقوق صحبت میں کمی کی وجہ سے دُنیاوی معاملہ میں ایک دوسرے سے غضبناک ہوکر ترک تعلق کر لیتے ہیں لہٰذا اس قسم کے معاملہ میں تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق جائز نہیں لیکن اگر کسی شرعی عیب یا معصیت کی بناء پر ترکِ تعلق کیا جائے تو وہ جائز ہے جب تک کسی شرعی عیب یا معصیت کو ترک نہ کر دیا جائے تو اس سے ہمیشہ ترک تعلق رہے گا۔ جیسا کہ احادیث میں وار ہے:

۱۔ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت کعب اور انکے ساتھیوں سے "جو غزوہ تبوک میں سُستی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے ترک تعلق کیا جائے سو ان سے پچاس دن تک ترک تعلق رہا حتی کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ اور نبی ﷺ نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے ترک تعلق رکھا۔ (جو کہ بطور عتاب تھا)

۲۔ حضرت عائشہ نے حضرت ابن زبیر (جو رشتہ میں آپ کے بھانجے تھے) سے ایک مدت تک ترک تعلق رکھا اور کئی صحابہ کا اس حال میں انتقال ہوگیا کہ انہوں نے ایک دوسرے سے ترک تعلق رکھا تھا۔

(علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ دشتائی ابی مالکی، اکمال اکمال المعلم ۷/۱۱۶) دار الکتب العلمیہ بیروت

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ مسلمانوں کی تین دن تک باہمی رنجش اور ترک تعلق رکھنا معاف ہے اور تین دن سے زیادہ تک ترک تعلق رکھنا جائز نہیں ہے اور اگر تادیب یا عتاب مقصود ہو تو

تین دن تک سے زائد بھی ترک تعلق رکھنا جائز ہے اور جو لوگ علانیہ معصیت کریں اور اس پر ڈٹ جائیں اور توبہ نہ کریں اور اہل بدعت اور دشمنان اسلام سے قطع تعلق ضروری ہے تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کرلیں۔" واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث نمبر (۱۲)

(وبہ) لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا۔ [1]

ترجمہ: "وہ ہم میں سے نہیں جو ہم سے خیانت کرے۔"

تشریح:

"جو ہم سے خیانت کرے اُس کا ہم سے تعلق نہیں۔"

غَشَّ، یَغُشُّ کا معنی ہوتا ہے ملاوٹ کرنا، دھوکہ دینا، خیانت کرنا، فریب دینا، حدیث سے صاف واضح ہے کہ یہاں اس سے مراد خیانت کرنا اور دھوکہ دینا ہے۔

لیس منا سے مراد محدثین نے لکھا ہے "لیس علی طریقتنا" یعنی وہ ہمارے طریق پر نہیں ہے، حضور ﷺ کو اپنی اُمت اتنی عزیز ہے کہ جس نے اِس اُمت کے کسی بھی فرد کو دھوکہ دیا یا فریب کیا، خیانت کی اُس کو بھی حضور ﷺ نے اپنے محبوب اور مقربین کے دائرہ سے لیس منا کے ذریعے نکال دیا ہے۔ دھوکہ مختلف طرق سے دیا جاتا ہے اور روز مرہ زندگی میں ہم مختلف طریقوں سے مختلف لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہوتے

---

[1] ۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات باب النھی عن الغش
حدیث نمبر ۲۲۲۴، جلد ۲، صفحہ ۷۴۹، دار الفکر، بیروت

۲۔ مسلم، بلفظ من غشنا فلیس منا، کتاب الایمان باب قول النبی من غشنا فلیس منا
حدیث ۲۴۹، جلد ۱، صفحہ ۶۹، دار الجیل

ہیں۔ اور ہمیں معلوم بھی نہیں ہوتا ہے کہ ہم کتنے بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں، ایک دھوکہ ہے، ایک مسلمان کو غلط چیز بتانا اور غلط رہنمائی کرنا یا غلط طریقے سے اُس کا نقصان کروانا۔ حضور ﷺ نے دھوکہ اور فریب سے سخت مخالفت فرمائی ہے وہ کسی بھی طریقے سے ہو۔ مثلاً آج کل دین کے نام پر بھی دھوکہ ہو رہا ہے، بتایا اور جاتا ہے، کیا اور جاتا ہے۔ نام اسلام کا لیا جاتا ہے جب لوگوں کو دین کے نام پر جمع کر لیا جائے تو اُنہیں اسلام مخالف استعمال کیا جاتا ہے، بے دینی کو عین دین بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اُن کو مسلک، قوم اور ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ بایں وجہ عام مسلمان اُن نام نہاد دین کے ہمدردوں اور ٹھیکیداروں کے چنگل میں آ کر چند دن میں رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اہل بیت عظام علیہم السلام کی گستاخی کرتے ہیں اور قرآن وسنت کی تحقیر کرتے ہیں، بزرگانِ دین کے مزاروں کو منہدم کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور دھوکہ میں اِن تمام باتوں کو عینِ اسلام سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔

حدیث نمبر (۱۳)

(وَبِهٖ) مَاقَلَّ وَ كَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى۔ [1]

ترجمہ: ”جو چیز تھوڑی ہو اور کفایت کر جائے بہتر ہے اُس سے جو وافر ہو اور غفلت میں ڈال دے۔“

---

[1] ۱۔ المعجم الکبیر، بلفظ ان ماقل، باب الصاد

حدیث ۸۰۲۰، جلد ۸، صفحہ ۲۶۲، مکتبہ العلوم والحکم موصل

۲۔ کنز العمال، بلفظ فان ماقل، حدیث نمبر ۳۶، جلد ۱، صفحہ ۴۰

تشریح:

اِس حدیث مبارکہ میں قناعت پر زور دیا گیا ہے۔ کہ نعمت مقدار و تعداد کتنی تھوڑی اور چھوٹی ہو اگر اُس سے دِل میں سکون اور طبیعت میں قناعت پیدا ہو رہی ہو تو وہ کہیں بہتر ہے اُس دولت سے جو دیکھنے میں کتنی کثیر اور خوشنما ہو لیکن بجائے سکون اور قناعت کے وہ دِل میں حرص و ہوس بھڑکانے والی ہو، ایسا مال اور ایسا عیال جو خدا سے دور کر دے اور غفلت میں مبتلا کر دے بے فائدہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں رب رحمن کا فرمان ہے۔

یا ایھا الذین امنو لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ۔

''اے ایمان والو! تمہیں تمہارا مال اور عیال خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے۔''

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مال و دولت جب زیادہ ہو جاتے تو خدا کی یاد سے محرومی ہو جاتی ہے دِل میں خدائے رحمن کا بسیرا ہونا چاہیے۔ وہاں حرص اور ہوس گھر کر لیتے ہیں، اسی وجہ سے خدا کے برگزیدہ بندوں نے قناعت اختیار کی ہے، تھوڑے پر خدا کا شکر ادا کیا اور ناشکری سے ہمیشہ دور رہے،

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کا فرمان روایت کیا ہے فرمایا حضور ﷺ نے کہ ''اگر میں چاہوں اور دُعا کروں تو میرے لیے مکہ کے پہاڑ سونا بنا دیئے جائیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک وقت کا کھانا کھاؤں، خدا کا شکر بجالاؤں پھر خدا سے دُعا کروں وہ مجھے دوسرے وقت کا کھانا دے۔

حضور ﷺ نے ''الفقر فخری'' فرما کر بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، دین کی ابتداء اور اس کا عود بھی مساکین میں قرار دیا ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ ''بے شک دین مساکین سے شروع ہوا تھا اور عنقریب مساکین میں ہی لوٹے گا۔''

حدیث نمبر (۱۴)

(وَبِهٖ) اَلرَّاجِعُ فِیْ هِبَتِهٖ كَالرَّاجِعِ فِیْ قَیْئِهٖ۔[1]

ترجمہ: ’’(تحفہ میں) دی ہوئی چیز کا واپس لینے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے کو چاٹ جانے والا۔‘‘

تشریح:

تحفہ میں کسی کو کوئی چیز دینا قرآن کریم سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بلقیس نے کہا میں عنقریب حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تحفہ بھیجوں گی اور دیکھوں گی کہ کیا جواب آتا ہے اگر انہوں نے ہدیہ قبول کرلیا تو وہ ہم پر حملہ کرنے سے باز رہیں گے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ہم پر ہر سال کچھ مال کی ادائیگی بطور خراج مقرر کریں اور ہم اس کو مان لیں اور وہ ہم سے جنگ وقتال کو چھوڑ دیں۔ اور کثیر احادیث طیبہ میں ہدیہ دینے اور قبول کرنے کی فضیلت موجود ہے۔

تحفہ دینے اور قبول کرنے کی فضیلت:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے کو ہدیہ دو کیونکہ ہدیہ ایک دوسرے کے سینہ سے کینہ کو نکال دیتا ہے اور کوئی عورت اپنے پڑوس کے ہدیہ کو حقیر نہ جانے خواہ وہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہو۔

(صحیح بخاری حدیث ۲۵۶۶، صحیح مسلم حدیث ۱۰۳)

---

[1] ۱۔ مسند احمد بن حنبل، باب مسند المکثرین من الصحابة، بلفظ الراجع فی هبته حدیث نمبر ۶۹۴۳، جلد ۲، صفحه ۲۰۸، مئوسسه قرطبیه قاهره

۲۔ سنن نسائی، کتاب الهبه، باب ذکر الفاظ الفاقلین، لخبر عبد الله بن عباس فی العائد فی هبته، حدیث نمبر ۶۵۳۰، جلد ۶، صفحه نمبر ۱۲۴، دار الکتب العلمیه، بیروت

نبی ﷺ نے خود ہدیہ قبول فرمایا۔ نبی ﷺ کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ کی گئی۔
ایلہ کے بادشاہ نے نبی ﷺ کو سفید خچر اور چادر ہدیہ کی اور آپ نے اس کو اس کے شہر کی حکمرانی پر بحال کر دیا۔ (صحیح بخاری باب قبول الهدیہ من المشرکین)

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو ایک دبیز ریشم کا جبہ ہدیہ کیا گیا لوگوں نے اس پر تعجب کیا آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

(صحیح ابن حبان ۷۰۳۶، مسند احمد حدیث ۱۳۱۸۰)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کے بدلہ میں ہدیہ عطاء فرماتے۔

(صحیح بخاری حدیث ۲۵۸۵، سنن ابوداؤد حدیث ۳۵۳۶، سنن ترمذی ۱۹۵۳)

ہبہ دیکر واپس لینے کی کراہت:

اتنے فضائل بیان کرنے کے بعد نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "کسی کو ہبہ دیکر واپس لینا اپنی قیہہ کو چاٹنے کے مترادف ہے۔" تاکہ کوئی ہبہ دیگر واپس نہ لے اور یہ کراہت طبعی کی کیسی بہترین مثال ہے۔

ہبہ کے فوائد:

☆ ہبہ کے ذریعہ کسی کی مالی امداد کی جاسکتی ہے۔
☆ ہبہ کے لین دین اور قبول کرنے سے باہم محبت بڑھتی ہے۔
☆ ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
☆ باہمی کینہ دور ہوتا ہے۔

حدیث نمبر (۱۵)

(وَبِهٖ) اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ۔ [۱]

ترجمہ: ''مصیبت تو بولنے ہی پر مقرر ہے۔''

تشریح:

بسا اوقات انسان سوچے سمجھے بغیر کوئی بات کہہ دیتا ہے مثلاً حاکموں کی خوشامد میں کوئی بات کہہ دی کسی کے متعلق کوئی تہمت لگا دی کوئی کلمہ کفریہ کہہ دیا اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پہ یقین رکھتا ہے۔ کلمہ خیر کہے یا خاموش رہے اور جب بھی انسان کوئی بات کہنا چاہے تو پہلے غور کرے پھر اگر اس بات کے کہنے میں کوئی مصلحت ہو تو وہ بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ حدیث پاک میں تو یہاں تک آیا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں انہوں نے جان دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بندہ کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے دوزخ میں اتنی دور چلا جاتا ہے جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔ (صحیح مسلم، ۷۳۴۹)

یہی زبان انسان کو تخت پر بٹھاتی ہے اور یہی تختہ دار پر لٹکاتی ہے اسی زبان کی وجہ سے انسان مقامِ ولایت پر فائز ہوتا ہے اور یہی زبان انسان کو کفر کی تاریک وادیوں میں دھکیل دیتی ہے۔ اسی لیے جب بھی بولے تو سوچ کے بولنا چاہیے کیونکہ کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلا ہوا لفظ کبھی واپس نہیں آتا، پھر اگر وہ لفظ غلط نکل جائے تو دوسرے کے سامنے شرمندگی سے سر جھکانا پڑتا ہے اسی لیے بزرگان دین فرماتے ہیں جب بھی بولو سوچ کے بولو۔

---

[۱] ۱۔ جامع الاحادیث ، امام جلال الدین سیوطی، باب صرف الباء ۱۱/۱۸۳

۲۔ کنز العمال، باب الثانی، فی اخلاق و افعال المذمومہ،

فصل ثالث تختص بالسان۔ حدیث نمبر ۷۸۲۴، جلد ۳، صفحہ ۵۵۰،

موسسۃ الرسالہ، بیروت

یہی وجہ ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دی ہیں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ زبان سے انسان کا کردار، فکر، سوچ، شعور نکھر کر سامنے آتا ہے اگر انسان حکمت بھرے کلمات یا اچھی بات نہ کہہ سکے تو اسے چاہیے کہ وہ اس فارمولا پر عمل کرے ''اِک چپ سو سکھ'' اسی میں فلاح و کامیابی ہے۔ اہل عرفان نے تین باتوں کو لازم کر رکھا ہے۔ کم کھانا، کم سونا، کم بولنا۔

حرف آخر:

دُنیا میں اسی زبان کے نتیجہ میں زیادہ تر آفتیں ہوتی ہیں یاوہ گوئی، غلط گوئی، فضول گوئی کی وجہ سے انسان اگر زبان پر قابو پانا سیکھ لے تو کتنی مصیبتوں، فکروں اور رنجشوں سے نجات پا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث نمبر (۱۶)

(وَبِهِ) اَلنَّاسُ كَاَسْنَانِ الْمُشْطِ۔ [۱]

ترجمہ: ''انسانوں کی مثال کنگھی دندانوں کی سی ہے۔''

تشریح:

حدیث مبارکہ میں لوگوں کی نفسیات کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ لوگ اکٹھے رہیں تو اکٹھے رہیں اگر چند لوگ راہ فساد پر نکل آئیں تو لوگوں میں اسی کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے

---

[۱] ۱۔ مسند الشهاب، باب الناس کاسنان المشط، مؤسسة الرساله بیروت حدیث ۱۳۵، جلد ۱، صفحہ نمبر ۱۴۵

۲۔ کنز العمال، بلفظ الناس سواء کاسنان المشط، حدیث نمبر ۲۴۸۲۱، جلد ۹، صفحہ ۳۸، موسسة الرساله بیروت

اور اس بات کو سمجھانے کے لیے کنگھی کے دندانوں کی مثال دی کہ اگر چند دندانے ٹوٹ جائیں تو ساری کنگھی ناقص و ناکارہ ہو جاتی ہے۔ پھر اگر اُسے بالوں میں پھیرا جائے تو سارے دندانے ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں گے۔

اس عظیم مثال سے اُمت کے اتحاد اور اتفاق کی جانب اشارہ ہو جاتا ہے اور اتحاد کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے کہ سارے مسلمان اکٹھے رہیں گے تو اُمت مضبوط و مستحکم اور کامیاب رہے گی اور اگر چند راہِ فساد اور چنگل باطل میں آجائیں گے تو سارے ٹوٹتے چلے جائیں گے۔

اتحادِ اُمت کی اہمیت و ضرورت:

قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ (القرآن)

''اے ایمان والو! اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں مت بٹو۔''

اگر تم فرقوں میں بٹو گے تو فرمایا ''ان تذھب ریحکم'' ''تمہاری ہوا نکل جائے گی یعنی تمہارا رعب و دبدبہ جاتا رہے گا اور تم اندر سے کھوکھلے ہو جاؤ گے۔''

آج اُمت پارہ پارہ ہے ہر کوئی اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے اپنی انا کے بُت کو پروان چڑھانے کے لیے دِن رات کام کر رہا ہے۔ کوئی اِس اُمت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کرنے کا نہیں سوچ رہا ہے، علامہ قلندر لاہوری کی آج بھی آواز آرہی ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کا شغر

حدیث نمبر (۱۷)

(وَبِہٖ) اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔ [1]

ترجمہ: ''تونگری تو دل کی تونگری ہے۔''

تشریح:

حضرت سعدی رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے، تونگری بہ دِل است نہ بہ مال، شاید اسی حدیث سرتاپا حقیقت کا ترجمہ ہے، یا پھر انسانی تجربات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

مال و دولت تو دُنیا میں بہت سے لوگوں کے پاس ہے مگر دِل میں چونکہ ہوس وحرص کا گھر، اِس کی وجہ سے اُن کا قلبی سکون اور چین ختم ہو چکا ہوتا ہے، آنکھوں سے نیند غائب اور اُن کے احوال مساکین سے بھی زیادہ بدحالی کا شکار ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کا دِل غریب اور مفلس ہوتا ہے اور اِس وجہ سے وہ غریب ہی معلوم ہوتے ہیں حالانکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چند لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس دُنیاوی مال تو اتنا زیادہ نہیں ہوتا لیکن اُن کے دِل میں قناعت اور شکر خداوندی کا گھر ہوتا ہے اس وجہ سے وہ دِل کے تونگر نظر آتے ہیں اور اپنی نیند سوتے ہیں، اپنی جگہ اطمینان سے جیتے ہیں اور اُنہیں اللہ نے سکونِ قلبی عطا کر رکھا ہوتا ہے۔ حقیقت ہے تونگری تو دِل کی

---

[1] ۱۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الغناء غنی النفس
حدیث ۶۰۸۱، جلد ۵، صفحہ ۲۳۶۸، دار ابن کثیر یمامہ، بیروت

۲۔ صحیح مسلم، باب لیس الغناء عن کثرۃ العرض
حدیث نمبر ۲۴۶۶، جلد ۳، صفحہ نمبر ۱۰۰، دار الجیل، بیروت

تونگری ہے، دِل بھوکہ ہو تو مسکینی ہی مسکینی ہے اِس وجہ سے خدا کی بارگاہ میں دِل مشکور اور قلب صابر کی التجا کرنے چاہیے۔

اللّٰھم انی اسئلك رزقا واسعا وقلبا منوراً خاشعا قانعا وتوفیقا احسانا وعلما نافعا وعملا صالحا ودواء من کل داء۔ بجاہ سید المرسلین علیه التحیة والتسلیم۔

حدیث نمبر (۱۸)

(وَبِهٖ) اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ۔ [1]

ترجمہ: ''خوش قسمت وہ ہے جو دوسرے کے حال سے نصیحت حاصل کرے۔''

تشریح:

اس حدیث مبارکہ کے بہت سے پہلو میں ایک پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح، قوم لوط، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ہود اور بنی اسرائیل اور دیگر جتنی بھی قوموں پر عذاب نازل کئے ان کی ہٹ دھرمی، بغاوت اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے نازل کئے۔ اور ہر قوم کو گذشتہ قوم پر نازل کئے، عذاب کی مثال دی تا کہ وہ سرکشی سے باز آجائے لیکن جب وہ نافرمانیوں میں حد سے بڑھ گئے اس قوم کو بھی مٹا دیا۔ نبی ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد جب قرآن پاک کا نزول ہوا اور گذری ہوئی قوموں کی سرکشیاں

---

[1] ۱۔ مصنف عبد الرزاق، کتاب الجامع لامام، معمر بن راشد، باب القدر حدیث نمبر ۲۰۰۷۰، جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۶، المکتب اسلامی، بیروت
۲۔ شعب ایمان للبیقھی، باب الرابع والثلاثون ـــ باب فی حفظ اللسان حدیث نمبر ۴۷۸۸، جلد ۴، صفحہ ۲۰۱، دار الکتب العلمیه، بیروت

اور نافرمانیاں، ان پر جس طرح سے بھی عذاب نازل ہوا اس تمام کا ذکر اللہ نے قرآن میں نازل فرمادیا۔ اور بار بار فرمایا ''ان فی ذالک لاٰیٰت لقوم یعقلون'' ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے'' اور کہیں یتذکرون، یسمعون، یتفکرون کے الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔ ان تمام کا معنی و مفہوم یہ بنتا ہے کہ گذشتہ قوموں کی سرکشیاں اور ان کا انجام تمہارے سامنے ہے تم ان سے نصیحت حاصل کرو اور اطاعت خداوندی میں غفلت نہ کرو اور سرکشی یہ انسان کی صفت نہیں ہے، تم یہ نہ سمجھو کہ ان پر نازل ہوا تم سرکشی کرو گے بچ جاؤ گے ہرگز نہیں۔ رحمن و رحیم رب جب جباری و قہاری کا مظاہرہ فرماتا ہے تو پھر اس کے عذاب کے آگے بڑے بڑے فرعون و نمرود اور بڑے بڑے قارون ایک لمحے سے پہلے ہی خاک ہو کر رہ جاتے ہیں۔

لہٰذا ہر انسان قرآن سے روشنی حاصل کرتے ہوئے اللہ کی واحدانیت پر ایمان لے آئے اور گذشتہ قوموں کے رویوں سے ان کو دیئے جانے والے عذاب سے عبرت حاصل کرے اور ایک پہلو اس کا وہ یہ ہے کہ روزمرہ زندگی میں انسان کے ساتھ نشیب و فراز کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بسا اوقات وہ تخت و تاج سے بھکاری بن جاتا ہے، دانشمند وہ ہے جو اس سے عبرت حاصل کر کے اپنا احتساب کرے اور اپنا قبلہ درست کرے نہ یہ کہ وہ اس کی اس حالت پہ جشن منائے یا یہ کہ وہ بھی سرکشی کرتا رہے اس پہ بھی وہ وقت آن پہنچے اور وہ بھی ندامت کے آنسو بہاتا رہے۔ اس لیے خوش نصیب وہ ہے جو دوسرے کے حال سے نصیحت حاصل کرے دوسرے کے انجام کو دیکھ کر دیکھ کر اپنی اصلاح کرے بدنصیب وہ ہے جس کی بدانجامی سے دوسرے نصیحت حاصل کریں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حدیث نمبر (۱۹)

(وَبِہٖ) اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا۔ [1]

ترجمہ: ''بعض شعر پر حکمت ہوتے ہیں اور بعض تقریریں سحر انگیز ہوتی ہیں''۔

تشریح:۔

شعر: علامہ راغب اصفہانی نے لکھا" شعر کا معنی معروف اور مشہور ہے" اور اس کی جمع اشعار ہے۔

شعر کا عرفی معنی: وہ کلام جو موزوں اور مقفیٰ ہو۔(المفردات ۱/۳۴۵ مکتبہ بزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی لکھتے ہیں:

''لغت میں شعر کا معنی علم ہے اور اصطلاح میں اس کلام کو شعر کہتے ہیں جس میں قصداً کلام کے آخری الفاظ کو ایک وزن اور ایک قافیہ پر لایا گیا ہو۔ یاد رہے کہ اس لحاظ سے قرآن کریم شعر نہیں ہے۔ بنیادی طور پر اشعار دو طرح کے ہوتے ہیں۔

اشعار کی قسمیں:

بعض شعراء اپنے اشعار میں کسی کی مذمت، کسی کی ہجو کرتے ہیں ان کے اشعار میں بے حیائی کی باتیں ہوتی ہیں گالی گلوچ لعن طعن، افتراء اور بہتان، تکبر اور فخر کا اظہار،

---

[1] ۱۔ کنز العمال، بلفظ ان من البیان سحرا و ان من البیان لحکمہ
کتاب الاخلاق، باب فی الافعال و الاخلاق۔
حدیث نمبر ۷۵۹۷، جلد ۳، صفحہ ۵۷۹، مؤسسہ الرسالہ، بیروت

۲۔ مستدرک للحاکم علی الصحیین، کتاب معرفۃ الصحابہ، باب ذکر عمر بن الاھتم، حدیث نمبر ۶۵۶۹، جلد ۳، صفحہ ۷۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت

حسد، دکھاوا، تذلیل، توہین اور دوسری چیزیں ہوتی ہیں بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں ان میں شجاعت اور سخاوت کی ترغیب، اللہ کی حمد وثناء نبی علیہ السلام کی نعت اور صحابہ کرام اور اہل بیت کی منقبت بھی ہوتی ہے۔

قسم اول کے اشعار کی اسلام میں مذمت اور قسم ثانی کے اشعار کو حکیمانہ اشعار سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اشعار قرآن وحدیث کی روشنی میں:

اللہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا" والشعراء یتبعھم الغائون"

"نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا" اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ اشعار سے بھر جائے۔"

(صحیح بخاری ۶۱۵۵، مسلم ۲۲۵۷، سنن ترمذی ۲۸۵۱، سنن ابن ماجہ ۳۷۵۹)۔

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ ﷺ کے پاس شعر سنے جاتے تھے حضرت عائشہؓ نے فرمایا اشعار آپ کے نزدیک مبغوض ترین تھے۔ (مسند احمد ۶/ ۱۳۴)

یہ احادیث طیبہ ان اشعار سے متعلق ہیں جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوں البتہ وہ اشعار جو قسم ثانی سے تعلق رکھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اشعار کہنے کا حکم ارشاد فرمایا اور تحسین فرمائی۔

چنانچہ حضرت براء بن عاذب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ قریظہ کے دن حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا "مشرکین کی ہجو کرو کیونکہ جبریل تمہارے ساتھ ہیں۔"

(صحیح بخاری حدیث ۴۱۲۴، صحیح مسلم حدیث ۲۴۸۶، مسند احمد حدیث ۱۸۷۲۵)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ بعید کی بات ہے۔" الا کل شئی ما خلا اللہ

باطل ”سنو اللہ کے سوا، ہر چیز فانی ہے۔ (صحیح بخاری حدیث ٦١٧٤)

حضرت عمر بن الشرید رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں میں ایک دن ایک سواری پر رسول اللہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا کیا تمہیں امیہ بن الصلت کا کوئی شعر یاد ہے؟ میں نے عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا سناؤ میں نے ایک شعر سنایا۔ آپ نے فرمایا؟ اور سناؤ حتیٰ کہ میں نے آپ کو ایک سو اشعار سنائے۔ رسول اللہ ہر شعر کے بعد فرماتے تھے اور سناؤ۔ (صحیح مسلم ٢٢٥٥، ابن حبان ٥٧٨٢، مسند الحمیدی ٨٠٩، مسند احمد ٤ / ٣٨٩، سنن ابن ماجہ ٣٧٥٨)

اس لحاظ سے بندہ مومن جس کے سینے میں نور ایمان، ایمان صالحہ کی قوت اور فرشتوں کی تائید ہو وہی حکیمانہ اشعار کہتا ہے۔ اور یہی اشعار جو عظمت اسلام میں کہے جائیں قابل تحسین ہیں۔ اسی طرح بعض تقریریں بھی سحر انگیز ہوتی ہیں جو دلوں کو زیر وزبر کر دیتی ہیں۔

حدیث نمبر (٢٠)

(وَبِهٖ) عَفْوُ الْمُلُوْكِ اِبْقَاءٌ لِلْمُلْكِ۔[1]

ترجمہ: ”بادشاہوں کے عفو (درگزر) سے ملک کی بقاء ہے۔“

تشریح:۔

حدیث پاک میں عفو و درگزر کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام کی سب سے پہلی ریاست مدینہ منورہ کے بانی اور کائنات عالم کے لیڈر و رہنما امام الانبیاء ﷺ کی زندگی اس معاملہ میں بہترین مشعل راہ ہے۔

---

[1] ١۔ کنز العمال، کتاب الامارۃ و القضاء، باب الثالث فی احکام الامارۃ۔
حدیث ١٤٧٨٨، جلد ٦، صفحہ ٤٧، مؤسسۃ الرسالہ

٢۔ جمع الجوامع للیسوطی، باب صرف العین،
حدیث نمبر ١٠٩، جلد ١، صفحہ ١٤٤١٧

چنانچہ جب مدینہ میں ریاست قائم ہوئی۔ اس کے بعد فتح مکہ ہوا اس موقع پر سید عالم ﷺ نے عفو درگزر کی جو بہترین مثال قائم فرمائی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ؒ بیان کرتے ہیں:

''فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان جیسا دشمن اسلام بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا عرض کی یا رسول اللہ'' اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی قصوروار تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کو قریب بٹھایا اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور ابوسفیان نے اپنی پچھلی تمام تر زیادتیوں پر معافی مانگی۔''

(الکامل فی التاریخ ۲/۱۶۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

جب آپ ﷺ کے سامنے ہندہ کو پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ ہندہ ہے؟ ہندہ نے عرض کی میں ہندہ ہوں اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ میری پچھلی باتوں کو معاف کر دیجئے ہندہ کے ساتھ اور بھی عورتیں تھی آپ نے ان سے عہد لیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی چوری نہیں کریں گی بدکاری نہیں کریں گی اولاد کو قتل نہیں کریں گی کسی بے قصور پر بہتان نہیں باندھیں گی کسی نیک کام میں حضور ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ان سے بیعت لو اور ان سے سب کے لئے مغفرت کی دُعا کی۔ (الکامل فی التاریخ ۲/۱۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہا تھا اس وقت آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستہ میں ایک اعرابی ملا اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نبی ﷺ کے دو کندھوں کے درمیان چادر کا نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا اے محمد ﷺ

آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔ (کتاب المغازی ۲/۹۰۰)

مسلم شریف میں حدیث موجود ہے۔ حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا بندہ کے معاف کرنے سے اللہ اسکی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لئے عاجزی کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ۲/۳۳۱)

حضرت ابو ھریرہ سے ہی روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ خیر سے محروم رہا۔ (صحیح مسلم ج ۲/۳۲۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی علیہ السلام سے بڑا حاکم و بادشاہ نہ آیا اور نہ آئے گا آپ نے کس طرح شان رحیمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عفو و درگزر فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کائنات ارضی میں کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں عظمت اسلام کا جھنڈا نہ لہرا رہا ہو۔ لہذا سلطنت کے قیام کے لئے استحکام میں بڑا دخل فرمانروا کے حلم و تحمل اور درگزر کو ہوتا ہے بادشاہ اگر بات بات پر غصہ کرنے لگے تو رعایا تباہ اور ملک ویران یا باغی ہو کر رہ جاتا ہے۔

حدیث نمبر (۲۱)

(وَبِہٖ) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ۔[1]

ترجمہ: ''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہے۔''

---

[1] ۱۔ صحیح بخاری، کتاب الادب: باب علامۃ الحب فی اللہ

حدیث۔ ۶۱۶۸، جلد۔ ۵، صفحہ۔ ۲۲۸۳، دار ابن کثیر بیروت

۲۔ صحیح مسلم، عن ابی وائل بن عبد اللہ،

کتاب البر و الصلۃ و الآداب۔ باب المرء مع من احب۔

حدیث۔ ۶۸۸۸، جلد۔ ۸، ص۔ ۴۳، دار الجیل بیروت

تشریح:

محبت کا معنی: انسان جس چیز کو اپنے گمان کے مطابق اچھا گمان کرے اس چیز کے ارادہ کرنے کو محبت کہتے ہیں۔

اس کی تین صورتیں ہیں انسان لذت کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان عمدہ کھانوں اور حسین عورتوں سے محبت کرتا ہے اور کبھی انسان نفع کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان اطباء حکماء سے محبت کرتا ہے۔

اور کبھی انسان فضل اور کمال کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان علماء اور اولیاء سے محبت کرتا ہے۔ بسا اوقات ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دینے کو بھی محبت کہتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''الذین یستحبون الحیوۃ الدنیا علی الاخرہ'' (القرآن۔ابراھیم ۳) جو کوئی دُنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

اللہ سے محبت کا معنی: واللہ یحب المحسنین۔ (القرآن۔آل عمران ۱۳۴) اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔اور جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے اس کا معنی ہے بندہ اللہ کے قرب اور اس کی رضا کا طالب ہے۔(المفردات ص ۱۰۰ مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ ایران)

نبی ﷺ سے محبت: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں سید عالم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح بخاری ۱/۷، نور محمد اصح المطابع کراچی)

نبی ﷺ سے محبت کا تقاضہ:

حضرت انسؓ سے مروی ہے آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''ایمان کی علامت انصار

سے محبت کرنا اور نفاق کی علامت اس سے بغض رکھنا ہے۔ حوالہ مذکورہ

حضرت ابوھریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس سے حسن وحسین سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳)

اللہ کے ولی سے محبت:

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری ۲/ ۹۶۳)

ان احادیث طیبہ کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث مذکورہ بالا پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت صحابہ واہلبیت اور اولیاء کاملین کی محبت ہی حشر میں کام آئے گی اور نجات کا ضامن ہوگی۔

صحابہ کرام کو حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی اور دیدار مصطفی ﷺ انہیں دنیا و مافیھا کی ہر نعمت سے بڑھ کر عزیز تھا۔ انہیں یہ بے تاب رکھتا تھا کہ ان سے صحبت مصطفی ﷺ کی گراں بہا نعمت چھن نہ جائے؟ ان کے قلوب کو اس وقت قرار آیا جب اللہ نے آپ کے حسن و جمال پر مرمٹنے والے مشتاقان کو اخروی زندگی میں ابدی رفاقت مصطفی ﷺ کا مژدہ جانفزا سنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا ومن یطع اللہ و الرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا ذالك الفضل من اللہ و کفی باللہ علیما ○

”اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روز قیامت) ان (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدیقین شھدا،

صالحین ہیں اور بہت اچھے ساتھی ہیں یہ فضل (خاص) اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔

اس مقام پر مفسرین نے آیت مذکورہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے صحابہ کرام کے محبوب حجازی سے محبت و وارفتگی کے احوال وواقعات کا تذکرہ بڑے پیارے اور خوبصورت انداز سے کیا ہے۔ یہاں صرف ایک روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے:

''ایک صحابی بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ''یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے میری جان بھی زیادہ محبوب ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ جب مجھے آپ کی محبت ستاتی ہے تو میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کا دیدار کر لیتا ہوں جب آپ ﷺ اس دُنیا سے (ظاہری طور پر) تشریف لے جائیں گے قیامت کے دن تو آپ انبیاء کی صف میں ہوں گے پھر آپ ﷺ کا دیدار کیسے کرسکوں گا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' جو (دُنیا میں) جس سے محبت کرتا ہو گا وہ اسی کے ساتھ ہو گا۔''

خلاصہ کلام:

یہ کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور صالحین سے محبت کرتا ہو گا، اُس کا حشر بھی اُنہیں کے ساتھ ہو گا۔

اور جس شخص اپنی خواہشات کی پیروی میں دُنیا سے محبت کرتا ہو گا، دُنیا کی محبت اسے کوئی نفع نہیں دے گی آخرت میں سوائے حسرت کے کچھ اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ یا کسی دُنیا دار سے محبت اس کے مال وزر کی وجہ سے کرتا ہے تو یہ محبت اُس کے لیے غیر نافع ہو گی۔

حدیث نمبر (۲۲)

(وَبِہٖ) مَاهَلَكَ اِمْرُاء عَرَفَ قَدْرَهُ۔ [1]

ترجمہ: ''نہیں ہلاک ہوا وہ شخص جس نے اپنی حقیقت پہچان لی۔''

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں جس اہم نکتہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے وہ اپنے نفس کی معرفت ہے۔ وہی انسان کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا۔ نفس انسان ایک چیز ہے اس کی بہت سی صفات ہیں، ویسے تو نفس کی سات اقسام ہیں لیکن سب سے زیادہ بُرائی کی طرف مائل ہونے والا نفس امارہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے! ان النفس لامارة بالسوء۔ (سورہ یوسف)

''بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔''

اور جو ہمیشہ معرفت خدا میں رہتا ہے اُسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یاایها النفس المطمئنه۔ (القرآن۔ سورہ فجر) ''اے اطمینان پانے والے نفس''

نفس جو برائی کا حکم دیتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نفس ابتداء سے ہی دُنیا کی رنگینیوں اور پُرکشش چیزوں سے دلچسپی رکھتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کے حسن ظاہر کو چھوڑ کر حسن باطن کی طرف متوجہ ہوں، جو ان جسمانی لذتوں کو چھوڑ کر روحانی لذتوں کی طرف راغب ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کے مکروفریب کو جانچ لیتے ہیں اور اس سے بچ کر معرفت خداوندی میں مستغرق رہتے ہیں ان کی طبیعت شریعت کے

---

[1] معرفة الصحابه لابی نعیم اصفهانی، بلفظ واعلموا انه لن یهلک عرف قدره باب صرف الالف، باب الارقم، حدیث ۹۹۳، جلد ۳، صفحه ۲۸۵

ڈھانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہے ان پر یہ ظاہری رنگینیاں اور پرُ کشش چیزیں اثر انداز نہیں ہوتی، ان پر اللہ تعالیٰ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے نفس کا احتساب کرتے ہیں کہیں ان سے ایسا فعل نہ ہو جائے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث بنے انہیں لوگوں پر جب معرفت الٰہی کے اسرار کھلتے ہیں تو ان کا نفس اطمینان والا ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روزانہ اپنے اعمال کا احتساب کرتے اگر کہیں کمی رہ جاتی تو اپنے آپ کو کوڑوں سے سزا دیتے تھے اور جو شخص اپنی حقیقت کو پہچان گیا اسے یہی دکھائی دیتا ہے کہ ہر شے فنا ہے صرف اللہ کی ذات کو بقاء ہے۔ پھر انسان کو اپنی حقیقت واضح نظر آنے لگتی ہے وہ اپنی کمزوریاں جان لینے کے بعد نفس کے فریب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ عرفانِ نفس سے عرفان حق کی راہ کھل جاتی ہے اسی لیے تو صوفیاء اسلام نے فرمایا ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔

''جس نے اپنی ذات کی معرفت حاصل کر لی پس اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

اسے اپنی ذات رب کی تجلیات کا مرکز نظر آتا ہے وہ انانیت پرستی سے نکل کر خدا پرست بن جاتا ہے۔ اس پر معرفت خداوندی کے اسرار کھل جاتے ہیں۔ اور اسے اپنی ذات میں تمام خامیاں نظر آتی ہیں وہ ان تمام کو دور کر دیتا ہے اور اللہ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔ لہٰذا یہ دُعا کرنی چاہیے۔

اللّٰھم انت مقصودنا ورضاك مطلوبنا

اعطنا محبة ذاتك ومعرفة صفاتك

حدیث نمبر (۲۳)

(وَبِہٖ) اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔ [۱]

ترجمہ: ''لڑکا عورت کے لیے اور حرام کار (مرد) کے لیے پتھر۔''

تشریح:

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی باندیاں زنا کرتی تھیں اور ان کے مالکان بھی آکر ان سے مباشرت کرتے تھے جب باندی کے ہاں بچہ ہو جاتا بسا اوقات اس باندی کا مالک بچہ پر دعویٰ کرتا اور بعض اوقات زانی اس بچہ پر دعویٰ کرتا پھر اگر اس باندی کا مالک مر جاتا اور اس کا بچہ پر دعویٰ ہوتا تو اس کے وارث بھی اس بچہ پر دعویٰ کرتے اور اس کے نسب کو باندی کے مالک کے ساتھ لاحق کر دیتے اور بچے کو اس مالک کی میراث سے بھی کچھ نہ ملتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ وصیت کی کہ زمعہ کی باندی بیٹا میرے نطفہ سے ہے تم اس پر قبضہ کر لینا حضرت عائشہؓ نے کہا فتح مکہ کا سال آیا حضرت سعد بن ابی وقاص نے زمعہ کے بیٹے کو لے لیا اور کہا یہ میرا بھتیجا ہے اور میرے بھائی نے اس کی وصیت کی تھی پھر حضرت عبد بن زمعہ کھڑے ہوئے اور کہا یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی باندی سے ہے

---

[۱] ۱۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء المملوک من الحربی وھبتہ وعتقہ حدیث۔ ۲۱۰۵، جلد۔ ۲، ص۔ ۷۷۳، دار ابن کثیر

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الولا للفراش وتوقعی الشبہات حدیث: ۳۶۸۱، جلد۔ ۴، ص۔ ۱۷۱

اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے پھر ان دونوں نے اپنا مقدمہ نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کیا حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا بھتیجا ہے اس کے متعلق مجھے عتبہ نے وصیت کی تھی اور حضرت عبد بن زمعہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے ان کے بستر پر ہوا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عبد بن زمعہ وہ تمہارا (بھائی) ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں پھر آپ ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ اُم المومنین سے فرمایا! اے سودہ تم اس سے پردہ کرنا کیونکہ آپ نے اس لڑکے میں عتبہ کی مشابہت دیکھی بھی پھر زمعہ کے بیٹے نے حضرت سودہ کو نہیں لکھا حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جاملا۔

(صحیح مسلم، ۱۴۵۷، سنن نسائی ۳۴۸۱، مسند الحمیدی، ۲۳۸، شرح مشکل الاثار ۲۲۴۵، مسند احمد بن حنبل، ۶/۳۷)

نبی ﷺ نے عتبہ کے بچہ پہ دعویٰ کے باوجود عتبہ کے مرنے کے بعد عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ کر کے جاہلیت کے طریقہ کو باطل قرار دے دیا۔

مذکورہ بالا حدیث میں عقبہ بن ابی وقاص شادی شدہ زانی تھا لیکن وہ حالت کفر پر بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی مرچکا تھا، وگرنہ اسے بھی رجم کیا جاتا۔

اس حدیث پاک سے رجم کا ثبوت ملتا ہے۔

رجم کی تعریف:

رجم کے شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں انہیں سنگسار کر کے قتل کر دینے کو رجم کہا جاتا ہے۔

رجم کا حکم:

اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رجم اللہ کا حکم ہے۔ رجم کے لیے فقہ حنفی کی روشنی میں چار مجالس میں اقرار ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا اس وقت تک رجم واجب نہیں ہوتا جب تک چار مجالس میں اعتراف نہ کیا جائے پس اگر اس نے ایک مجلس میں ہزار مرتبہ بھی اعتراف کیا تو وہ ایک اعتراف ہے۔

امام ابوحنیفہ ؒ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت ماعز ؓ نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ شہادت دی تو ان کو رجم کیا گیا۔

رجم دورِ رسالت ﷺ میں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو رد کر دیا، پھر دوسری مرتبہ اگلے دن آئے تو پھر آپ نے واپس کر دیا پھر تیسری مرتبہ آئے پھر رد فرمایا یہاں تک کہ پھر جب وہ چوتھی مرتبہ آئے تو ان کے لیے گڑھا کھودا گیا اور اس گڑھے میں انہیں کھڑا کر کے رجم کر دیا گیا۔

(علامہ بدرالدین عینی، عمدۃ القاری ۲۳ / ۲۶۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ دو مردوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے تنازعہ کا مقدمہ پیش کیا پس ان دونوں میں سے ایک نے کہا، ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے اور دوسرے نے کہا جو ان دونوں میں سے زیادہ سمجھدار تھا ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے مجھے اجازت بھی عنایت فرمائیے کہ میں بات کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم بات کرو، اس نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا۔ سو میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے پھر مجھے لوگوں

نے خبر دی کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا تو میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک باندی فدیہ کر دی، پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرے بیٹے پر حد ہے کہ اس کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! سنو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میں تم میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ رہی تمہاری بکریاں اور باندی وہ تمہیں واپس ہوں گی اور اس کے بیٹے کو سو کوڑے لگائے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا اور حضرت انیس لاسلمی کو حکم دیا گیا کہ وہ دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائیں اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دو سو اس عورت نے اعتراف کر لیا۔ پس انہوں نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح بخاری، ۲۳۱۲، صحیح مسلم ۱۶۹۸، سنن نسائی ۵۴۱۱، موطا امام مالک ۱۵۵۶)

1۔ حضرت سلمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ کے پاس غامدیہ سے ایک عورت آئی اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے، تم واپس جاؤ اور اللہ سے استغفار کرو اور اللہ سے توبہ کرو اس عورت نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ مجھے واپس کر رہے ہیں جس طرح ماعز کو واپس کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ہوا کیا ہے؟ اس نے کہا وہ زنا سے حاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا حتیٰ کہ جو کچھ تمہارے پیٹ میں ہے۔

اس کو تم نکال دو، یعنی وضع حمل ہو جائے۔ تو انصار کا ایک مرد ضامن ہوا اور اس وضع حمل تک اس عورت کی کفالت کی پھر وہ مرد نبی پاک ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ غامدیہ کا وضع حمل ہو گیا ہے آپ نے فرمایا! ہم اب بھی اس کو رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچہ کو چھوٹا چھوڑیں گے جس کو کوئی دودھ پلانے والا نہ ہو تو انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں دودھ پلانے کا بندوبست کروں گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح مسلم ١٦٩٥، سنن ابوداؤد ٤٤٣٣)

رجم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

یعنی (خلافت عثمانی میں) ایک شخص مسمی یحنس اور مسماۃ صفیہ مالِ غنیمت میں سے بطور خمس کے قیدی بنا کر لائے گئے۔ (اس دوران) میں صفیہ نے قیدیوں میں ایک شخص کے ساتھ زنا کیا اس کا بچہ متولد ہوا۔ بچہ کے متعلق زانی نے اور یحنس مذکورہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں تنازعہ پیش کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کر دیا (کہ ان کا فیصلہ کیجئے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبوی فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، بچہ نکاح والے کو ملے گا اور زانی کو پتھر نصیب ہوگا پھر زانیہ اور زانی کو پچاس پچاس تازیانے لگائے گئے۔

(مسند احمد بن حنبل، ١/ ١٠٤)

نبی علیہ السلام کے دورِ مبارک اور حضرت علیؓ کا رجم کے بارے میں فیصلہ بطورِ ثبوت پیش کرنے کے بعد اب حدیث کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔

''نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ زانی کے لیے پتھر ہیں اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ زانی کے لیے ناکامی ہے۔ اور اس بچہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یعنی بچہ اس کا ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا خواہ وہ اس شوہر کا ہو یا اس مالک کا ہو زانی کے لیے ناکامی اور محرومی ہے۔

دوسرا معنی اس کا یہ ہے کہ زانی کو پتھروں سے رجم کیا جائے گا کیونکہ شادی شدہ زانی کو رجم کیا جاتا ہے۔

حدیث نمبر (۲۴)

(وَبِہٖ) اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی۔ [۱]

ترجمہ: ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

شریعت اسلامی میں سائل کا حق:

شریعت اسلامی میں اللہ تعالیٰ نے سائل کا حق بیان فرمایا:
''ارشاد باری تعالیٰ ہے''واما السائل فلا تنھر'' (الضحیٰ آیت۔ ۱۰) اور رہا سائل تو آپ اسے مت جھڑکیں اور صاحب ثروت لوگوں کو حکم دیا کہ وہ سوال کرنے والوں کو مال عطاء کریں۔ اور احادیث طیبہ میں نبی ﷺ نے سوال کرنے والے کو دینے کی ترغیب فرمائی۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے ابن آدم تو (لوگوں پر) خرچ کریں (تجھ پر) خرچ کروں گا۔
(صحیح بخاری صفحہ ۵۲۔ ۵۳، صحیح مسلم۔ ۹۹۲، مسند احمد بن حنبل ۴ / ۲۴۲)

سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹانا:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا روایت بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ مسکین میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مجھے حیا آتی ہے۔ اور میرے پاس اسے دینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہوتی تب رسول اقدس ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے اسے دے دو خواہ بکری کا جلا ہوا پایا ہو۔
(سنن ابن داؤد ۱۶۶۷ سنن ترمذی ۶۶۵ سنن نسائی ۲۵۷۴)

---

[۱] ۱۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقہ الاعن ظھر غنی
حدیث: ۱۳۶۱، جلد۔ ۲، ص۔ ۵۱۸
۲۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب بیان ان ید العلیی خیر من الید السفلی
حدیث: ۲۲۳۲ ، جلد۔ ۳ ، ص۔ ۹۴

حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہا بیان فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا’’سائل کے لیے حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

(مسند احمد ۱/۲۰۱، صحیح ابن خزیمہ۔حدیث ۶۸، ۲۴، مسند ابو یعلی ۴۲۸۴)

قرآن وحدیث وآثار کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ سائل کو اسکا حق دینا اخلاقی تقاضا ہے تاکہ مال لوگوں کی جاگیر نہ بن کر رہ جائے۔اور ساتھ ہی سائل کو بھی بلا ضرورت سوال کرنے میں منع فرمایا گیا۔تاکہ ہر دوسرا شخص محنت ومشقت کو ترک کر کے کاسہ گدائی لیے نہ پھرتا رہے اور اپنا مال بڑھانے کے لیے وہ بھیک نہ مانگتا رہے۔

بلا ضرورت سوال کرنے کی وعید:

حضرت ابو ھریرہ بیان کرتے ہیں۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنا مال زیادہ کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا وہ صرف انگاروں کا سوال کر رہا ہے۔ خواہ سوال کم کرے یا زیادہ۔(صحیح مسلم ۱۰۴۱، سنن ابن ماجہ ۱۸۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی۔

(صحیح بخاری۔ ۱۴۷۴، مسلم ۱۰۴۰، نسائی۔ ۲۵۸۵)

سوال نہ کرنے کا عہد: اتنی سخت وعیدات ارشاد فرمانے کے باوجود نبی ﷺ نے صحابہ سے سوال نہ کرنے کا عہد لیا۔حضرت عوف بن مالک بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کیا تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے اس وقت ہم نے نئی نئی بیعت کی تھی حتیٰ کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا ہم نے ہاتھوں کو

بڑھایا اور بیعت کرلی۔ ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کر چکے ہیں۔اب ہم آپ سے کس چیز پر بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا کہ تم اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے اور ان کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور تم پانچ وقت کی نمازیں پڑھو گے اور اسکے احکام سنو گے اطاعت کرو گے۔اور آپ نے چپکے ایک بات کہی کہ تم لوگوں سے بالکل سوال نہیں کرو گے۔

(سنن ابوداؤد ۱۶۴۲، مسلم ۱۰۴۳، نسائی ۱۴۵۹ ابن ماجہ ۲۸۶۷)

رسول اقدس ﷺ منبر پر صدقہ کا ذکر فرما رہے تھے اور سوال سے رکنے کا ذکر فرما رہے تھے،"آپ نے فرمایا اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے اوپر والا ہاتھ صرف کام کرنے والا ہے اور نیچے والا مانگنے والا ہے۔"

(بخاری ۱۴۲۹، مسلم، ۱۰۳۲، نسائی ۲۵۳۳۔ مسند احمد ۳/ ۴۳۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دینے والا ہاتھ بہتر ہے لینے والے ہاتھ سے فقہاء اسلام کا اس بات پر اجماع ہے بغیر ضرورت کے سوال کرنا جائز نہیں اور ضرورت کا معیار یہ ہے کہ اس کے پاس اتنی مالیت نہ ہو جس سے وہ ایک دن کا کھانا کھا سکے۔اور وہ اس قدر کمزور اور بیمار ہو کہ کما سکتا ہو اور جو شخص کمانے اور کسب کرنے پر قادر ہو اس کا سوال کرنا حرام ہے۔اور جب وہ سوال کرے تو اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے اور گڑ گڑا کہ سوال نہ کرے اور مسئول کو ایذا نہ دے۔

یاد رہے اس سے مراد وہ ہدیئے وتحائف نہیں ہیں جو امراء اغنیاء فرطِ اخلاص سے اہل اللہ کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ ورسولہ اعلم

حدیث نمبر (۲۵)

(وَبِہٖ) لَآ یَشْکُرُ اللّٰہَ مَنْ لَآ یَشْکُرُ النَّاسَ۔[1]

ترجمہ: ''جو بندوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہ ہوگا۔''

تشریح:۔

شکر کے معنی: شکر کا معنی سے دل، زبان، اور اعضاء سے اللہ کی تعظیم بجالانا۔ اور اللہ نے جو نعمت جس مقصد کے لئے عطاء کی ہے اس نعمت کو اس مقصد کے پورا کرنے میں خرچ کرنا مثلاً اللہ تعالیٰ نے شہوانی قوت عطاء کی ہے تا کہ حلال طریقہ سے شہوت کے تقاضوں کو پورا کرے یہ شکر ہے اگر حرام طریقہ سے اس شہوت کو پورا کرے زنا اور لواطت کرے تو یہ اللہ سے بغاوت ہے۔

شکر کا معنی قرآن کی روشنی میں:

شکر دو طرح سے کیا جاتا ہے ایک تو یہ انسان پر اللہ کوئی انعام براہ راست فرمائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ نعمت کے ملنے پر شکر ادا کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ لئن شکرتم لازید نکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔

ترجمہ:۔ اگر تم شکر کرتے رہے تو ہم ضرور زیادہ دیں گے تمہیں اور اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو بیشک میرا عذاب بہت سخت ہے۔

---

[1] ا۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف

حدیث: ۴۸۱۳، جلد۔ ۴، ص۔ ۴۰۳، دار الکتاب العربی بیروت

۲۔ سنن ترمذی بلفظ من لم لشکر الناس لایشکر اللہ

کتاب البر و الصلۃ باب۔ الشکر لمن احسن اھلک

حدیث۔ ۱۹۵۴، جلد۔ ۴، ص۔ ۳۳۹، دار احیاء الثراث العربی بیروت

دوسرا یہ کہ انسان پر کوئی انعام اللہ تعالیٰ کسی کے ذریعہ سے فرمائے تو اس صورت میں اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ اس بندے کا بھی شکریہ ادا کرے جو ذریعہ انعام بنا ہے۔ اور شکر ادا کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اعملوا ال دائود شکراً وقلیل من عبادی الشکور۔

ترجمہ:۔ اے آل داؤد تم اللہ کا شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے کم ہیں۔

نبی اقدس ﷺ کا اندازِ شکر:۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تہجد میں اس قدر قیام فرمایا کہ آپ کے پاؤں مبارک میں ورم آگیا۔ آپ سے کہا گیا کہ "اللہ نے آپ کے (سبب آپ کی اُمت کے اگلے پچھلے) ذنب کی مغفرت کردی ہے آپؐ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ (ابن ماجہ ۱۴۱۹، نسائی ۱۶۴۳، مسند حمیدی ۷۵، مسند احمد ۴/ ۲۵۵، السنن الکبری للنسائی ۱۲۳۴، صحیح ابن خزیمہ ۱۱۸۲، ابن حبان ۳۱۱)

شکر کی فضیلت احادیث کی روشنی میں: حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ بندہ کے اہل، مال اور اولاد میں جو نعمت عطاء فرمائے اور بندہ کہے ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ تو وہ موت کے سوا ان میں کوئی آفت نہیں دیکھے گا۔ (مجمع الزوائد للھیشمی ۱۰/ ۱۴۰)

حضرت قتادہ سے مروی ہے جب حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی ذریت پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا میں چاہتا ہوں میرا شکر ادا کیا جائے۔

(شعب الایمان ۴۲۴۲)

حضرت عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب تیرا شکر کس طرح ادا کرنا چاہیے فرمایا اے موسیٰ تمہاری زبان ہمیشہ میرے ذکر سے تر رہے (رسائل ابن ابی دنیا ۳/ ۲، حدیث ۳۹)۔

صوفیاءِ اسلام کا اندازِ شکر:

شفیق بن ابراہیم بلخی بھیس بدل کر حضرت عبداللہ بن مبارک کے پاس گئے۔ انہوں نے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں۔ شفیق نے کہا بلخ سے عبداللہ بن مبارک نے پوچھا شفیق کو جانتے ہو کہا ہاں۔ پوچھا اُن کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے کہا جب ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو صبر کرتے ہیں اور جب انہیں کچھ دیا جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں عبداللہ بن مبارک نے کہا یہ تو ہمارے ہاں کتوں کا طریقہ ہے شفیق نے کہا پھر کس طرح ہونا چاہیے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ کاملین وہ ہوتے ہیں جب ان کو کچھ نہ دیا جائے تو شکر کریں اور جب مل جائے تو دوسروں کو دے دیں۔

(امام فخرالدین محمد بن عمر رازی/تفسیر کبیر ۷/ ۳۶، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت)

حدیث پاک کا مفہوم:۔ یہ واضح ہوا کہ ''جو شخص لوگوں کے احسان کا شکر ادا نہ کرے اور ان کی نیکیوں کا انکار کرے تو وہ اگر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے تو اللہ اس کے شکر کو قبول نہیں کرتا۔''

اور ایک مفہوم یہ بھی بنتا ہے کہ جس شخص کی عادت ہو کہ وہ لوگوں کے احسانات فراموش کر دیتا ہو اور ان کی نیکیوں کا شکر ادا نہ کرتا ہو تو وہ اپنی عادت اور اپنی طبعیت کے تقاضے سے اللہ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرے گا اور ان کا بھی شکر بھی نہیں ادا کرے گا۔

مفہوم ثالث یہ ہے کہ:۔ جو شخص لوگوں کے نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اگر وہ اللہ کی نعمتوں کا بھی شکر ادا کرے پھر بھی وہ اسطرح ہے جیسے اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

حدیث نمبر (۲۶)

(وَبِہٖ) حُبُّكَ الشَّيْئَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔[۱]

ترجمہ: ’’کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔‘‘

تشریح:۔

جذبہ محبت حقیقت شناسی کے لیے ایک حجاب بن جاتا ہے۔ جہاں کسی چیز کی الفت ومحبت دل پر غالب آگئی بس پھر اس کا کوئی عیب محسوس نہیں ہوتا۔ اور یہ محبت دو طرح سے ہوتی ہے اگر دنیا میں کسی سے ہو جائے تو اس کے تباہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں اور اگر اللہ اور اسکے رسول سے ہو جائے تو انسان درجہ کمال پر فائز ہو جاتا ہے اور کامیابی اسی میں ہے کہ اگر دنیا میں بھی کسی سے محبت کی جائے تو اللہ اور اسکے رسول کی رضا کے لئے کی جائے۔

محبت حقیقی ہو یا مجازی اندھا اور بہرا کر دیتی ہے:۔

محبتِ مجازی کی داستان:

مجنوں نے لیلیٰ سے محبت کی۔ یہ مجازی محبت حد درجہ تھی کہ اسے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک مرتبہ لیلیٰ بیماری کے بعد تندرست ہوئی اور منت پوری کرنے کے لئے کچھ صدقہ کرنے نکلی تو گداگروں کی لائن لگ گئی مجنوں بھی لائن میں لگ گیا جب اس کی باری خیرات لینے کی آئی لیلیٰ نے اُس کا کاسہ لے کر زمین پر دے مارا اور وہ ٹوٹ گیا مجنوں نے رقص کرنا شروع کر دیا کسی نے کہا تم کتنے بھولے ہو سر محفل تمہیں اس نے رسوا کر دیا

---

[۱] ا۔ مسند احمد بن حنبل، کتاب مسند القوائل، باب بقیة حدیث ابی درداء
حدیث۔ ۲۷۵۸۸، جلد۔ ۶، ص۔ ۴۵۰ مؤسسة القرطبه القاهره

۲۔ سنن ترمذی، کتاب الادب، باب فی الھواء،
حدیث۔ ۵۱۳۲، جلد۔ ۴، ص۔ ۴۹، دار الکتاب العربی بیروت

خیرات تک نہ دی اور کاسۂ گدائی بھی توڑ دیا مجنوں نے ایک خوبصورت جملہ کہا "کہ میری لیلیٰ نے میرا ہی کاسہ کیوں توڑا کسی اور کا کیوں نہیں توڑا؟" اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ محبت کس درجہ انسان کو اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔

ایک دفعہ لیلیٰ نے مجنوں کے لئے چوری بھیجی کنیز نے دیکھا بہت سارے مجنوں تھال کی طرف لپٹے تھوڑی تھوڑی چوری سب میں تقسیم کردی واپس آکے لیلیٰ سے کہا کہ آپ کے مجنوں کتنے ہیں؟ سارے چوری کی طرف لپٹ رہے تھے۔ لیلیٰ نے کہا جاؤ طشت میں چھری لے جاؤ اور کہو کہ لیلیٰ کہتی ہے کہ جسم کا ٹکڑا کاٹ دو کنیز نے جاکر صدا بلند کی اور ایک شخص لاغر وکمزور جسم ڈگمگاتا ہوا آیا اور کہا میری لیلیٰ نے جسم کے کون سے حصے کے گوشت کا ٹکڑا مانگا ہے۔ اس نے پورے جسم کے ہر حصے کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ بھیجا کنیز واپس پہنچی تو لیلیٰ نے کہا کہ یہ میرا مجنوں ہے۔ مجنوں اس حد تک فنا تھا لیلیٰ کے محلے کے کتوں سے بھی محبت کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حشر میں اہل محشر کو مجنوں کی محبت کی مثال دے گا۔ اب محبت حقیقی کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

محبتِ حقیقی کی مثال:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم میں ایک شخص کے پاس سے گذر ہوا وہ کہہ رہا تھا یا اللہ تو کہاں ہے میرے پاس ہوتا میں تیرے بالوں کو کنگی کرتا اور تیرے بالوں کو تیل لگاتا، موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو جھڑکا اور چپ کرادیا جب آپ اللہ کی بارگاہ میں ہمکلام ہوئے آواز آئی، موسیٰ تو نے ہمارے ایک بندے کو ناراض کردیا جو ہم سے حقیقی پیار کرتا ہے، اس کی صدا ہمیں بہت پسند ہے جس سے موسیٰ علیہ السلام کو تعجب ہوا تو آواز آئی وہ ہماری محبت میں مستغرق ہے۔

نبی ﷺ کا ہر صحابی آپ ﷺ سے بے حد محبت کرتا تھا حصولِ برکت کے لیے آپ کے یارِ غار کی محبت کا اندازہ ملاحظہ کریں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی محبت کا حال:

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کی محبت میں اتنے فنا تھے کہ عشاء کے بعد

سب سے آخر میں مسجد نبوی ﷺ سے گھر تشریف لاتے اور ساری رات آپؓ سو نہیں سکتے، محبت رسول ﷺ میں آنکھ نہ لگتی جیسے ہی حضرت بلالؓ اذان دیتے تو آپؓ سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے آتے اور آپ ﷺ کی زیارت کر کے قلبی تسکین پاتے۔ اور صحابہؓ کہتے ہیں جب نبی ﷺ کا ظاہری دُنیا سے وصال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ غم رسول ﷺ میں اتنے نڈھال ہو گئے کہ آپ کے وصال کا سبب حقیقی ﷺ کی جدائی بنا۔ اور ایک بار گھر تشریف لائے آپ ﷺ کی زوجہ نے عرض کیا کسی شے کے جلنے کی بو آ رہی ہے مگر پتہ نہیں چل رہا تو آپؓ نے فرمایا میرا دل میرے محبوب ﷺ کی یاد میں جل رہا ہے۔

اسی لیے تو اقبالؒ نے کہا تھا!

محمد ﷺ کی محبت دل حق کی شرط اول ہے
اگر اس میں ہو کچھ خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

حدیث نمبر (۲۷)

(وَبِهٖ) جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا وَبُغْضِ مَنْ اَسَآءَ اِلَيْهَا [۱]

ترجمہ: ''دلوں کی خلقت ہی ایسی ہوئی ہے کہ بھلاء کرنے والے کے ساتھ انہیں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور برائی کرنے والے کے ساتھ دشمنی۔

---

[۱] ۱۔ کنز العمال، صرف المیم، باب فی الحکم و جوامع الکلم

حدیث۔ ۴۴۱۰۲، جلد۔ ۱۶، ص۔ ۱۱۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

۲۔ شعب الایمان للبیقھی، فصل قصۃ ابراھیم فی المعانقۃ۔

حدیث۔ ۸۹۸۳، جلد۔ ۶، ص۔ ۴۷۱، دار الکتب العلمیہ بیروت

تشریح:

محسن (احسان کرنے والے، کی طرف دِل کا کھچاؤ اور موذی ونقصان پہنچانے والے) کی طرف سے دل کا ہٹ جانا انسان کی جبلت اور سرشت میں رکھ دیا گیا ہے۔ حق یہ ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کے اندر کئی نفسیاتی حقیقتیں اور نفسیات سے متعلق احکام واقوال بیان ہوتے ہیں۔ یہ حدیث بھی اپنے اندر نفسیاتی حقیقتوں کا ایک خزانہ لئے ہوئے ہے۔ اور نفسیاتی حقیقتوں کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی اُمت کے سب سے زیادہ ہر اعتبار سے اور ہر پہلو سے اور ہر علم وفن کے عالم ہوتے ہیں۔ یعنی ہر نبی اپنی اُمت میں سب سے بڑا عالم، فاضل، ماہر قانون، ماہر نفسیات اور ماہر فنون اور سب سے زیادہ وجیہہ اور حسین وجمیل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ تمام اُمتوں اور تمام انبیاء کرام سے بڑھ کر علم وحکمت کے منبع ہیں، اس وجہ سے فعل الحکیم وقول الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ کے آپ کا ہر قول اور ہر فعل اپنے اندر علوم وفنون کا خزانہ لئے ہوئے ہیں۔ اور ساتھ ہی نفسیاتی حقیقتوں کا ایک مرقع ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں بھی یہ نفسیاتِ انسانی سے متعلق چیز بیان ہوئی ہے کہ انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ نیکی، بھلائی اور احسان کرنے والے کا دِل وجان سے خادم اور ممنون بن جاتا ہے اور بُرائی وبدی کرنے والے کا دشمن اور مخالف بن جاتا ہے۔

اسی لیے حضور ﷺ نے اپنے کردار، گفتار اور اقوال سے بتایا ہے کہ کسی دشمن اور مخالف کو اپنا بنانے کے لیے اُس کے ساتھ مسلسل نیکی اور بھلائی کرتے رہو پھر ایک دن آئے گا کہ کانہ ولی حمیم۔ او کما قال علیہ السلام۔

حدیث نمبر (۲۸)

(وبہٖ) اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔[1]

ترجمہ: "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے کہ اس نے گناہ نہ کیا ہو۔"

تشریح:

توبہ کا لغوی معنیٰ:۔ رجوع کرنا، بندہ کی توبہ یہ ہے کہ معصیت سے اطاعت کی طرف اور غفلت سے اللہ کو یاد کرنے کی طرف رجوع کرے اور اللہ کے توبہ قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں بندہ کے گناہ پر پردہ رکھے بایں طور پر کہ کوئی شخص اس کے گناہ پر مطلع نہ ہو۔ اور آخرت میں اسے سزا نہ دے۔

توبہ قرآن وسنت کے آئینہ میں:۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"یا ایھا الذین آمنو توبوا الی للہ توبۃً نصوحاً (القرآن تحریم۔ ۸)

"اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ (رجوع) کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد گناہ نہ کرے" (مسند احمد ۱/۴۴۶)

حضرت ابوھریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا" اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ کراچی)

---

[1] ا۔ سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر التوبه

حدیث۔ ۴۲۵۰، جلد۔ ۲، ص۔ ۱۴۱۹، دار الفکر بیروت

۲۔ المعجم الکبیر۔ طبرانی، باب العین، فصل عبداللہ بن مسعودؓ

حدیث۔ ۱۰۲۸۱، جلد۔ ۱۰، ص۔ ۱۵۰، مکتبۃ العلوم والحکم موصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اقدس ﷺ نے فرمایا" ہر بنی آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔

(سنن دارمی ۲/۲۱۳، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، مسند احمد ۳/۱۹۸)

لہٰذا رحمت خداوندی گنہگار بندے کی توبہ کی منتظر ہے اس لئے استغفار کی کثرت کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا۔ خواہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔

(سنن ابوداود ۱/۳۱۴)

توبہ کی شرط: توبہ کی شرط یہ ہے کہ جس برائی سے توبہ کی ہے اس کو ترک کیا جائے اور اس برائی کی تلافی کی جائے اور جب کوئی شخص کسی گناہ سے توبہ کرے پھر اس کو اس گناہ پر ملامت نہیں کرنی چاہیے۔ جب کوئی شخص گناہ صغیرہ کا اصرار کرتا ہے تو وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور جب گناہ کبیرہ سے توبہ کرتا ہے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اب وہ ایسے گناہ سے پاک ہو جاتا ہے جیسے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں بشرطیکہ توبۃ النصوح کرے۔

توبۃ النصوح: توبہ النصوح کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم تعلبی لکھتے ہیں حضرت ابی بن کعب نے کہا" التوبہ النصوح یہ ہے کہ بندہ جس گناہ سے توبہ کرے پھر دوبارہ اس گناہ کی طرف نہ لوٹے"۔

حسن بصری نے کہا۔ بندہ پچھلے گناہ پر نادم ہو اور یہ عزم مصمم کرے کہ وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرے گا۔

سعید بن جبر نے کہا۔ توبۃ النصوح وہ توبہ مقبولہ ہے" اور اس کے قبول ہونے کی تین شرائط ہیں (1) توبہ قبول نہ ہونے کا خوف ہو (2) اور توبہ قبول ہونے کی امید ہو

(3) دائمی اطاعت کرے۔

شفیق بن ابراہیم نے کہا اپنے نفس کو ہمیشہ ملامت کرنا ہے اور ہمیشہ نادم رہنا ہے۔

جنید بغدادی نے کہا۔ گناہ کو اس طرح بھول جائے کہ پھر اسے کبھی یاد نہ کرے کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہوتی ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور اس کے ماسوا کو بھول جاتا ہے۔ (الکشف والبیان ۹/ ۳۵۱، دار احیاء التراث العربی)

اللہ والوں کی توبہ:۔

فضیل بن عیاض کی توبہ:۔ فضیل بن عیاض بہت بڑے ڈاکو تھے ایک رات کسی مکان کی دیوار پر ڈاکہ مارنے کی نیت سے چڑھ رہے تھے مالک مکان تلاوت کر رہا تھا فضیل بن عیاض کے کان میں یہ آواز پڑی ''الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ'' کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الہی کے لئے نرم پڑ جائیں۔ یہ آیت تاثیر ربانی کا تیر بن کر فضیل بن عیاض کے دل میں چبھ گئی۔ فضیل بن عیاض کے دل کی دنیا بدل گئی زار و قطار رونے لگے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے روتے روتے دیوار سے اتر گئے اور ایک سنسان کھنڈر میں بیٹھ کر رونے لگے۔ اتنے میں وہاں سے ایک قافلہ گزرا کہنے والے نے کہا کہ رات یہیں ٹھہر جاؤ فضیل بن عیاض ڈاکو اسی اطراف میں رہتا ہے۔ یہ سننا تھا اور زار و قطار رونے لگے ہائے افسوس کہ میں کتنا گنہگار ہوں میرے ڈر سے اُمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلے رات کو سفر نہیں کرتے۔

روتے روتے سچی توبہ کر لی اور عہد کیا کہ باقی زندگی بیت اللہ کی مجاوری اور عبادت میں گزاردوں گا۔ صبح ہوتے ہی درسگاہ حدیث میں گئے اور علم حدیث کے امام ہو گئے اور پھر ان پر خوف الہی کا اتنا غلبہ رہتا تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی اللہ کا نام لیتا تو دم بے خود

ہو جاتے۔ جس دن ان کا انتقال ہوا امام وکیع یہ اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ لوگو! آج
خوف خدا دنیا سے رخصت ہو گیا (تہذیب التہذیب، ص۔ ۳۰۳)۔

بشر حافی کی توبہ:۔ بشر حانی بہت بڑے شرابی تھے انہوں نے راستہ میں ایک کاغذ دیکھا جو لوگوں کے پیروں تلے آرہا تھا انہوں نے اس کاغذ کو اٹھایا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا انہوں نے بہت قیمتی خوشبو خریدی اور اس کاغذ پر وہ خوشبو لگائی اور اس کو حفاظت کے ساتھ رکھ دیا رات کو خواب میں انہوں نے سنا کوئی کہہ رہا تھا اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو میں رکھا ہے میں تم کو دنیا و آخرت میں خوشبودار رکھوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور ولی کامل بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر امام آپ کی خدمت میں جایا کرتے اور توبہ کے بعد بشر حانی نے کبھی جوتے نہیں پہنے ساری زندگی ننگے پاؤں چلتے رہے اور آپ نے جس راستے سے گزرنا ہوتا اس راستے میں جانور گوبر نہیں کیا کرتے تھے۔

کسی نے امام احمد بن حنبل ؒ سے پوچھا کہ آپ ؒ اتنے بڑے امام ہیں آپ اس ننگے پاؤں چلنے والے مجذوب کے پاس کیا کرنے جاتے ہیں۔ آپ ؒ نے فرمایا کہ شریعت زیادہ میں جانتا ہوں لیکن شریعت والے کو زیادہ بشر حافی جانتے ہیں۔

حدیث نمبر (۲۹)

(وَبِہٖ) اَلشَّاھِدُ یَرٰی مَالاَ یَرَاہُ الغَائِبُ۔ [1]

ترجمہ: ''حاضر دیکھ لیتا ہے اس شے کو جو سے غائب نہیں دیکھتا۔''

تشریح:

یہ حدیث اِس بات کو واضح کرتی ہے کہ خبر وروایت وزن میں اعتبار اور تحقیق میں رؤیت ومشاہدہ کے برابر نہیں ہے، انسان اگر ہر سنی سناتی بات کو دلیل نہ بنائے اور تیقن کے برابر نہ رکھے تو برے ظن سے غیبت سے اور چغلی وغیرہ سے بچا جاسکتا ہے، اِسی واسطے اسلام میں جہاں بھی گواہی وشہادت کا تعلق ہے، وہاں ضروری ہے کہ گواہ عینی ہو، یعنی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے، زنا ہو، نکاح ہو قتل ہو یا کوئی اور معاہدہ ہو گواہی اور شہادت اُسی وقت معتبر ہوگی جب گواہ نے سارا معاملہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہو اور وہ اُس وقت ہوش حواس بھی رکھتا ہو یعنی گمان اور خواب وغیرہ نہ ہو، حضور ﷺ کا فرمانِ منزل نشان ہے، اِنسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات کو آگے پھیلا دے۔ضروری ہے کہ وہ بات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو یا پھر جانچ پڑتال اور تحقیق وتفتیش کے بعد جب بات متحقق ہو جائے تو تب کسی پہ فردِ جرم عائد ہو یا اُس بات کا یقین کر کے کوئی حکم جاری کیا جائے۔

---

[1] ا۔ مسند بزار، عن علی بن ابی طالب، باب مسند علی بن ابی طالب
حدیث۔ ۶۳۴، جلد۔ ۱، ص۔ ۳۸۶

۲۔ مسند احمد بن حنبل، عن علی ابن ابی طالب،
باب مسند عشرۃ فی الجنۃ فصل مسند علی بن ابی طالب
حدیث۔ ۶۲۸، جلد۔ ۱، ص۔ ۸۳، مؤسسۃ قرطبہ قاھرہ

حدیث نمبر (۳۰)

(وَبِهٖ) اِذَاجَاءَ کُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْهُ۔[1]

ترجمہ: "جب تمہارے پاس کسی جماعت کا سردار آئے تو اس کی تعظیم کرو۔"

تشریح:

اس حدیث پاک سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ جب معزز لوگ آئیں ان کی تعظیم اور اکرام کے لیے قیام کیا جائے۔ (علامہ یحییٰ بن شرف نووی، شرح صحیح مسلم، ۲/۹۵)

علامہ دشستانی ابی مالکی نے لکھا:

"قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ قوم کے رئیس اور اہل خیر اور اہل فضل کی تعظیم کے لیے قیام کرنا چاہیے کیونکہ تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ ایک سے زائد افراد کے لیے کھڑے ہوئے اور یہ وہ قیام نہیں ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہے، جو قیام ممنوع قیام ہے جسے عجمی بادشاہ بیٹھے رہتے تھے اور لوگ ان کی تعظیم میں کھڑے رہتے تھے۔"

(علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ دشانی، اکمال اکمال المعلم ۵/۹۲)

اور یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سلطان یا حاکم مسلمانوں کے سردار کی تعظیم کا حکم دے اور سلطان کی مجلس میں اہل فضل کی تعظیم کرنا اور ان کی تعظیم کے لیے اٹھنا جائز ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی آمد پر انصار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا "قوموا الی سیدکم" "اپنے سردار کی تعظیم میں اٹھو۔" (صحیح مسلم، ۴۴۸۱)

علامہ علاؤ الدین الحنفی نے یہاں تک لکھا کہ:

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الادب۔ باب اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ حدیث۔ ۳۷۱۲، جد۔ ۲، ص۔ ۱۲۲۳، دار الفکر بیروت

''آنے والے کی تعظیم کے لیے اُٹھنا جائز ہے بلکہ متحب ہے جیسا کہ عالم کے سامنے پڑھنے والے کے لیے بھی تعظیماً کھڑے ہونا متحب ہے۔

(علاؤ الدین، درمختار ۵ / ۳۳۸، مکتبہ عثمانیہ، استنبول)

امام بیہقی نے لکھا کہ ''تعظیم وتکریم کے مقصد سے قیام کرنا جائز ہے جیسا کہ انصار رضوان اللہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کیا۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۱ / ۵۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ)

(قیام تعظیمی کا ثبوت نبی ﷺ کے عمل مبارک سے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی ﷺ کے پاس جاتیں تو آپ ﷺ ان کے لیے کھڑے ہوتے اور ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تو وہ اپنی نشت سے کھڑی ہوتیں آپ ﷺ کو بوسہ دیتی اور نبی ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتی۔

۱۔ (نسائی، سنن الکبریٰ، ۵ / ۲۹۱، حدیث ۹۲۳۶)

۲۔ (ابن حبان، صحیح ابن حیان، ۵ / ۴۰۳، ۳ بخاری، الادب المفرد ۱ / ۳۳۹)

۳۔ (حاکم، مستدرک، ۴ / ۳۰۳، حدیث ۵ / ۷۷)

۴۔ (طبرانی: معجم الاوسط ۴ / ۲۴۲، حدیث ۲۹۶۷)

خلاصہ کلام:

کس کے لیے قیام کیا جائے اور کس کے لیے نہ کیا جائے؟

☆ جو شخص قیام کرنے والوں کے قیام کی وجہ سے تکبر کرتا ہو اس کے لیے قیام کرنا ممنوع ہے۔

☆ جو شخص قیام کی وجہ سے تکبر نہ کرتا ہو لیکن قرائن سے اس پر تکبر کا خدشہ ہو اس کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔

☆ جس شخص پر تکبر کا خدشہ نہ ہو اس کی عزت افزائی کے لیے قیام جائز ہے۔

☆ جو شخص سفر سے واپس آئے اس کے استقبال کے قیام کرنا مستحب ہے۔

(ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۱/ ۵۰)

☆ مشائخ، اساتذہ، علماء دین، والدین، منعم اور محسن کی تعظیم کے لیے قیام کرنا مستحب ہے۔

☆ اگر کوئی شخص تعظیم کے قابل نہ ہو کوئی دینی کام اس پر موقوف ہو تو اس کے لیے تعظیم کرنا جائز ہے۔

☆ اگر کوئی شخص تعظیم کے قابل نہ ہو لیکن دُنیاوی کام کی خاطر مداہنت سے اس کے لیے قیام کیا جائے تو یہ قیام مکروہ تحریمی ہے۔

(علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، ۵/ ۲۹۰، فرید بک سٹال)

حدیث نمبر (۳۱)

(وَبِہٖ) اَلْیَمِیْنُ الْفَاجِرَۃُ تَدَعُ الدِّیَارَ الْبَلَاقِعَ۔[۱]

ترجمہ: ”جھوٹی قسم ملکوں کو اُجاڑ ڈالتی ہے۔“

---

[۱] ۱۔ کنز العمال، حرف الیاء، باب فی الیمین الفاجرۃ

حدیث۔ ۴۶۳۸۸، جلد۔ ۱۶، ص۔ ۶۹۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

۲۔ مسند شہاب، باب یمین الفاجرۃ بلفظ بلاقع

حدیث۔ ۲۵۵، جلد۔ ۱، ص۔ ۱۷۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

تشریح:

قسم کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں "یمین اصل میں دائیں ہاتھ کو کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے" واصحاب الیمین " اس میں قوت اور برکت کے معنیٰ کا اعتبار ہے اور یمین کو استعارہ حلف بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی سے عہد کرتا تو اپنے دائیں ہاتھ کو اس کے دائیں ہاتھ پر رکھ کر عہد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے

''ام لکم ایمان علینا بالغۃ الی یوم القیمہ'' (القلم ۳۹)

کیا تمہارے لئے ہم پر کچھ عہدو پیمان (قسمیں) ہیں جو قیامت تک پہنچنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی زیر بحث آیت میں بھی یمین کا لفظ حلف کے معنیٰ میں ہے۔

(علامہ راغب اصفہانی المفردات ص ۵۵۳)

قسم کا اصطلاحی معنیٰ: یمین اس قوی عقد کو کہتے ہیں جس کے ساتھ قسم کھانے والا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا عزم کرے۔

شرائط:۔ یہ ہیں ''اسلام مکلف ہونا، اور قسم پوری ہونے کا ممکن ہونا۔

حکم:۔ اس کا حکم یہ ہے کہ قسم پوری کرنا یا اس کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا۔

جھوٹی قسم:۔ علامہ علاؤالدین خصکفی حنفی رقمطراز ہیں: جھوٹی قسم تین طرح کی ہوتی ہے یمین غموس، یمین لغو، یمین منعقدہ۔

(۱) اگر کوئی شخص جھوٹ پر قسم کھائے تو یہ یمین غموس ہے۔ مثلاً کسی نے کسی شخص کے ہزار روپے دینے ہوں اور وہ قسم کھائے کہ ''اللہ کی قسم میں نے نہیں دینے'' ایسا شخص مطلقاً گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

(۲) یمین لغو یہ ہے کہ انسان ماضی، یا حال کی کسی بات پر اپنی دانست میں سچی قسم کھائے اور در حقیقت جھوٹ ہو۔ اس پر نہ کفارہ اور نہ ہی گناہ ہے قسم کھانے والے کی بخشش کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ (درمختار ۳/ ۴۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(۳) یمین منعقدہ۔ علامہ حصکفی نے لکھا'' اگر مستقبل کے کسی کام پر قسم کھائی جائے تو وہ یمنن منعقدہ ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کام فی نفسہٖ ممکن ہو۔ مثلاً کسی نے کہا میں اللہ کی قسم کل روزہ رکھوں گا۔ اب اگر اس نے روزہ نہ رکھا تو اسکو کفارہ دینا ہوگا۔ (مگر گنہگار نہ ہوگا) درمختار ۳/ ۴۹۔ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی۔۔

جھوٹی قسم کی مذمت: جھوٹی قسم کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقین کے متعلق ارشادہ فرمایا '' و یحلفون علی الکذب وھم یعلمون'' (المجادلہ۔ ۱۴) اور وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔

نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے کسی مسلمان کا مال کھانے کے لئے جھوٹی قسم اٹھائی وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ'' اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ (صحیح بخاری ۲/ ۹۸۷)

مذکورہ بالا حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ'' جس قوم میں جھوٹی قسموں کا رواج چل پڑتا ہے معاملات میں جھوٹی گواہیاں چلنے لگتی ہیں اور عدالتوں میں بڑے بڑے فیصلے جھوٹے گواہوں کے بیان پر صادر ہونے لگتے ہیں۔ اس قوم کا کردار شریفوں کا نہیں رزیلوں کا بن جاتا ہے۔ اس کی اخلاقی بنیادیں اندر ہی اندر کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ آخر وہ قوم تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

حدیث نمبر (۳۲)

(وَبِہٖ) مَنۡ قُتِلَ دُوۡنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیۡدٌ۔[1]

ترجمہ: ''جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔''

تشریح:

جس مال یا جائیداد کا انسان مالک ہے۔ اُس پر اُس کی حفاظت کا ذمہ عائد ہوتا ہے۔ جیسے اپنے وطن، ملک، گھر اور جائیداد و مال و عیال کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہے اور شریعت مطہرہ نے اس جذبہ فطری کی اس قدر رعائت رکھی ہے کہ جو مظلوم اِن میں سے کسی کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا اُسے شہادت کا ایک درجہ دے دیا گیا ہے۔

احادیث کی کتب صحیحہ اور فقہاء کرام کے اقوال اور استنباط شدہ مسائل میں اور کتب فقہ میں شہید کی بہت ساری اقسام بیان کی گئی ہیں،

چنانچہ چند اُن میں سے یہ ہیں کہ جو انسان اچانک موت، حادثاتی موت میں مارا گیا چونکہ اچانک یہ دُکھ اور الم اُسے پہنچا ہے، اس وجہ سے وہ شہید ہے۔ پیٹ کے درد سے مر گیا، یا محاذ کی حفاظت کرتے ہوئے مر گیا، علمی میدان میں باطل قوتوں کے خلاف علمی مقابلہ کرتے ہوئے اُسے مار دیا گیا، علم پڑھتے پڑھاتے مر گیا، سفر کی حالت میں مر گیا یا اپنی جان اور مال کی حفاظت میں مارا گیا تو یہ تمام لوگ شہادت کا درجہ پاتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من قتل دون ماله

حدیث۔۲۳۴۸، جلد۔۲، ص۔۸۷۷، دار ابن کثیر یمامہ بیروت

ہمارا موضوع سخن چونکہ آخری قسم ہے جو اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا،

مات شهيداً، چونکہ فطرت انسانی ہے وہ اپنی جان، اپنی اولاد وعیال اور مال سے محبت کرتا ہے اِس وجہ سے اُس پر حملہ ہوا اور اُس نے جواں مردی سے اُس کا مقابلہ کیا اور دفاع وحفاظت میں مارا گیا تو شریعت نے اُسے شہادت کا ایک درجہ عطا فرمادیا ہے۔

حدیث نمبر (۳۳)

(وَبِهٖ) اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ۔[1]

ترجمہ: ''اعمال (کی صحت) کا دارومدار نیت پر ہے۔''

تشریح:

نیت کا لغوی معنی: قصد مصمم، پکا ارادہ، اور اس عمل کے لئے تحریک کرنا۔

اس حدیث طیبہ میں تنبیہ اس بات کی طرف ہے کہ ''اعمال پر ثواب اور عذاب کا مدار ان اعمال کی نیت پر ہے۔

ثواب کا دارومدار نیت پر:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روای ہیں رسول اکرم ﷺ کے صحابہ نے آپ سے عرض کیا: مال دار تو اجر لے گئے وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد اموال کو صدقہ کرتے ہیں۔ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے صدقات نہیں رکھے! ہر تسبیح کرنا صدقہ ہے۔ اور ہر تکبیر پڑھنا صدقہ

---

[1] ۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان۔ باب ماجاء الاعمال بالنية
حدیث۔ ۵۴، جلد۔ ۱، ص۔ ۳۰، دار ابن کثیر، بیروت

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب قوله انما الاعمال بالنية
حدیث ۱۹۰۷، جلد ۳، صفحه ۱۵۱۵

ہے اور ہر حمد کرنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ ”لا الہ الا اللہ“ پڑھنا صدقہ ہے اور ہر نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور ہر برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تمہارا اپنی بیویوں سے جماع کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ کرام نے کہا! یارسول اللہ ﷺ! ہم سے کوئی اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے جماع کرے اس کے لئے بھی اجر ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر وہ اپنی شہوت حرام طریقہ سے پوری کرتا ہے تو اس کے اوپر گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ پس اسی طرح جب اپنی شہوت حلال طریقہ سے پوری کرے گا تو اس کے لئے اجر ہوگا۔

(صحیح مسلم، ۱۰۰۴،الادب المفرد، ۲۲۷ صحیح ابن حبان ۸۳۸ مسند بزار ۳۹۱۸ مسند احمد ۵ / ۱۶۷)

اس حدیث طیبہ میں کتنے چھوٹے اعمال پر ثواب ہے۔ جتنی نیت خالص ہوگی اتنا ہی اجر کثیر ملے گا۔

نیت میں اخلاص شرط:

حضرت ابوہریرہؓ جب اس حدیث کو روایت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور قال رسول اللہ ﷺ کہا تو دہشت و ہیبت سے بے ہوش ہوگئے۔ جب سنبھلے تو حدیث بیان فرمائی۔ کہ ”قیامت کے دن ایک قاری، ایک سخی، ایک شہید اللہ کی بارگاہ میں پیش کے لئے جائیں گے۔ خداوند عالم قاری سے سوال کرے گا اے میرے بندے میں نے تجھ کو اپنی قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا تو نے میری نعمتوں کا شکریہ ادا کیا؟ تو قاری عرض کرے گا خداوند عالم میں نے پڑھا، دوسروں کو پڑھایا، تبلیغ کی، پھر خداوند عالم فرمائے گا اے میرے بندے کیا تو نے یہ ساری خدمات میری رضا کے لیے کی تھی یا اس لیے کہ لوگ تجھے کہیں؟ قاری عرض کرے گا پروردگار میری نیت تو یہی تھی اللہ فرمائے گا اے میرے بندے تیری یہ نیت میں نے دنیا میں پوری کردی ہر شخص سے تجھے قاری کہلوایا۔

اب میرے دربار میں تیرے لیے کوئی جزا نہیں ہے اور یہ شخص منہ کے بل گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ سخی سے سوال کرے گا کہ تو نے میری نعمتوں کا شکریہ ادا کیا؟ تو سخی عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں نے ہر نیک کام میں اپنی دولت خرچ کی ہے۔ اللہ فرمائے گا۔کیا تو نے میری رضا کے لئے سخاوت کی تھی یا اس لیے کی تھی کہ لوگ تجھے سخی کہیں۔ سخی کہے گا الٰہی میری نیت تو یہ تھی کہ لوگ مجھے سخی کہیں گے! اللہ فرمائے گا تیری یہ مراد میں نے دنیا میں پوری کر دی۔ ہر چھوٹے بڑے سے تجھے سخی کہلوایا۔اب تیرے لیے میرے دربار میں کوئی جزا نہیں ہے۔ یہ شخص بھی منہ کے بل گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ شہید سے یہی سوال فرمائے گا۔کہ تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا۔شہید عرض کرے گا کہ پروردگار میں نے جہاد کیا اور تیری راہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ شہید سے فرمائے گا کہ میری رضا کے لئے سر کٹایا تھا یا بہادر کہلانے کی نیت تھی؟ شہید اقرار کرے گا کہ پروردگار نیت تو بہادر کہلانے کی تھی۔ اللہ فرمائیگا تیری نیت دنیا میں ہی پوری کر دی اب میری بارگاہ میں تیرے لیے کوئی جزا نہیں ہے۔قہار و جبار حکم فرمائے گا کہ اے فرشتو! اسکو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔ باوجود اس کے تینوں اپنے اپنے اعمال صالحہ کے باوجود جہنم میں ڈالے گئے۔ وجہ کیا تھی؟ ان کی نیت میں اخلاص نہ تھا لہذا اتنے اچھے اعمال کرنے کے باوجود اجر سے محروم کر دیئے گئے۔

حضرت رابعہ بصری اور بایزید بسطامی کی نیت کا صلہ:

حضرت بایزید بسطامی بلخ سے طواف کعبہ کی نیت سے چلے ہر قدم پر دو رکعت نفل شکرانہ بھی ادا کرتے گئے بارہ برس بعد حرم میں پہنچے، جب حرم کعبہ میں پہنچے تو دیکھا کعبہ موجود نہیں جب سامنے دیکھا تو کعبہ حضرت رابعہ بصریؒ کے استقبال کے لئے کھڑا تھا۔ عرض گزار ہوئے کہ ”پروردگار بڑی مدت بعد شوق حرم میں پہنچا ہوں کعبہ موجود نہیں، کیا راز ہے۔ غیب سے

آواز آئی۔ بایزید کعبہ تو ہماری بندی کے استقبال کیلئے گیا ہوا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ چل کر اللہ اس بندی سے پوچھوں کہ ایسا کون سا عمل اس نے کیا کہ جس سے اسے یہ مقام حاصل ہوا۔ قریب پہنچے عرض کی "اے اللہ کی بندی میں اتنی مشقت کے بعد یہاں آیا اور کعبہ موجود نہیں تھا کعبہ آپ کے استقبال کے لئے آیا ہے تو حضرت رابعہ بصری نے فرمایا کہ" آئے تم بھی زیارت کیلئے ہو اور میں بھی زیارت کے لیے آئی ہوں۔ تمہاری نیت تھی کہ کعبہ کی زیارت کرو اور میری نیت کعبے والے کی زیارت کی تھی۔ تمہاری نیت کا صلہ تمہیں مل گیا اور میری نیت کا صلہ مجھے مل گیا۔

حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے کتنی گہری حقیقت دو لفظوں میں بیان فرما دی ہے۔ کہ انسان جو کچھ بھی دوسروں کا عمل دیکھتا ہے وہ تو صرف صورت عمل پیش نظر ہوتی ہے عمل کا صرف ظاہری ہی قالب ہوتا ہے باقی روح عمل تو دوسروں کی نظر سے ہمیشہ مخفی رہتی ہے اصل شے تو محرک عمل ہے اسی کا نام نیت ہے۔"

حدیث نمبر (۳۴)

(وَبِهٖ) سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ۔ [1]

ترجمہ: "قوم کا سردار تو ان کا خادم ہوتا ہے۔"

---

[1] ۱۔ جمع الجوامع للیسوطی ، باب حرف السین،
حدیث۔ ۱۳۲۶۰، جلد۔ ۱، ص۔ ۱۳۴۴۰

۲۔ شعب الایمان للفظ سید القوم فی السفر
باب السابع والحمسون۔۔۔ فصل فی ترک الغصب
حدیث۔ ۸۲۰۷، جلد۔ ۶، ص۔ ۳۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت

تشریح:

نبی ﷺ کا یہ فرمان ساری دُنیا کے سرداروں، پیشواؤں، فرمانرواؤں، بادشاہوں کے لیے مینارہ نور ہے کیونکہ جب پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی آپ ﷺ نے سب سے پہلے بحیثیت قوم کے سردار ہونے کے اپنی رعایا، کی مشکلات کو حل فرمایا اور غریبوں، یتیموں، مسکینوں کے علاوہ بھی ہر فرد کو اس کا حق دیا اور خلافت راشدہ کا سارا نظام خدمت خلق کی عکاسی کرتا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مسند خلافت پہ جلوہ افروز ہوئے اپنی رعایا کی خدمت میں اس طرح مشغول ہوئے۔ کہ اگر کسی کا کوئی پانی لانے والا نہ ہوتا تو رات کی تاریکی میں اپنے سر پہ مٹکا اُٹھا کہ اسے پانی لا کر دیتے، آپ نے اپنی رعایا کی خدمت میں جو تاریخ رقم کی زمانہ اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رات کو گشت کر رہے تھے اپنی رعایا کی خبر گیری کے لیے نکلے ہوئے تھے تو گھر سے رونے کی آواز آئی، پتہ کرانے پہ معلوم ہوا کہ ایک عورت کے گھر کھانے کو کچھ نہیں، بچے بھوک سے نڈھال رو رہے ہیں اس نے ہانڈی سے پتھر ڈالے ہوئے ہیں۔ بچوں کو سلانے کے لیے ہلا رہی ہے آپؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، فوراً اپنے غلام کو ساتھ لیا بیت المال سے اس خاتون اور اس کے بچوں کے لیے ساز و سامان حسب ضرورت لیا اور غلام سے کہا مجھے اٹھواؤ تو اس نے کہا امیر المومنین حاضر ہوں آپ مجھے اٹھوائیں تو آپ نے فرمایا کہ دُنیا میں تو میرا بوجھ اُٹھائے گا حشر میں کون اُٹھائے گا۔ چنانچہ خود اُٹھا کے راشن اس خاتون کے گھر پہنچایا اور خود بچوں کے لیے کھانا تیار کیا خود باہر چلے گئے اور مکان کی کھڑکی سے دیکھتے رہے یہاں تک کہ بچوں نے سیر ہو کر کھایا پھر غلام سے فرمانے لگے چلو واپس اب عمر کا کام ہوگیا۔

آپ کا سارا دورِ خلافت رعایا کی خدمت میں گذرا یہاں تک کہ آپؓ نے فرمایا اگر

دریائے دجلا کے کنارے بکری کا بچہ/کتا بھی بھوکا مرجائے گا تو عمر اللہ کی بارگاہ میں کیا جواب دے گا۔حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے قوم کی خدمت کا حق ادا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو ساری زندگی اپنے پاس اتنی رقم بھی اکٹھی نہیں ہونے دی کہ آپؓ پر زکوۃ واجب ہوتی ؟ حضرت عمر بن عبد العزیز ہوں سلطان صلاح الدین ایوبی ہو یا نور الدین زنگی ان جیسے عظیم قوم کے لیڈروں نے اپنی رعایا کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھی آج بھی تاریخ میں ان کا نام چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔مگر افسوس یہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا معاشرہ زوال پذیر ہوتا گیا، حد تو یہ ہوگئی ہے کہ آج وڈیروں، جاگیرداروں نے اپنی چوہداہٹیں قائم کرنے کے لیے غریب اور بے بس لوگوں پر جو ظلم وستم ڈھا رکھے ہیں، لگتا ہے کہ پھر سے بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کی طرح ان میں جہالت بھر دی گئی ہے۔اور اگر کوئی ان سے اپنی حقوق کی بات کرتا ہے اسے نافرمانی کا نام دے کر سولی کے بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔اس لیے خلاصہ یہ ہے کہ حاکم اور سردار کا معنی ہی یہ ہے کہ وہ شخص قوم کی خدمت کو اپنا نصب العین بنا کے اپنی سرداری قائم رکھنے کے لیے زندگی قوم کی خدمت میں وقف کردے۔

حدیث نمبر (۳۵)

(وَبِہٖ) خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا۔[1]

ترجمہ: ’’عمل میں سب سے بہتر اس کا درجہ درمیانی ہے۔‘‘

---

[1] ۱۔ جمع الجوامع للسیوطی، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ باب اقتصاد والاقتصار بالاعمال، حدیث۔۱۰۱۔جلد۔۱، ص۔۱۰۱

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزھد باب مطرف بن الشخیر حدیث۔۳۵۱۲۸، جلد۔۷، ص۔۱۷۹۔ مکتبۃ الرشد ریاض۔

تشریح:

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام میں درمیانی راہ سب سے بہتر ہے عمل میں اُس کا سب سے بہترین درجہ درمیانی ہے۔

اعتدال پسندی، میانہ روی، نہ زیادتی نہ کمی، نہ افراط نہ تفریط، نہ گرمی نہ نرمی، بہترین راہ درمیانی ہے۔

حدیث مبارکہ میں یہ ایک قاعدہ، کلیہ بیان کر دیا گیا اب جتنے اُمور دین و دُنیا ہیں سب میں اگر اِسی قاعدہ کلیہ کے تحت میانہ روی اور اعتدال پسندی اپنالی جائے تو یہ کامیابی کی راہ ہے۔ اور جنت کی راہ ہے، اس کی سینکڑوں مثالیں بنتی ہیں مثلاً دُنیا میں دلچسپی درمیانی ہو، ساتھ دین کو بھی لے کر چلے۔

مذہبی انتہا پسندی (Extrmisom) زور پکڑ رہی ہے۔ اس میں بھی اعتدال پسندی کی ضرورت ہے اس طرح تقریباً ہر شعبہ جات میں انتہا پسندی سے سیاسی انتہا پسندی (Political Extrmisom)، مادہ پرست انتہا پسندی (Metarcatuslic Extromisom) وغیرہ زور پکڑ رہی ہیں اِن تمام میں درمیانی راہ میانہ روی اور اعتدال پسندی ہے۔

انسانی تجربات اور مشاہدات بھی اس بات پر گواہ ہیں کہ میانہ روی اور اعتدال پسندِی کی راہ انسان کو جہنم، غربت، مفلسی، تنگی سے دور کر کے نجات کا راستہ دکھاتی ہے اس کے برعکس انتہا پسندی بُرا اور شیطانی عمل اور راستہ ہے۔

حدیث نمبر (۳۶)

(وَبِہٖ) اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِیْ اُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ الْخَمِیْسِ۔ [1]

ترجمہ: ''الٰہی میری اُمت کو برکت دے جمعرات کی صبح کے سفر میں۔''

تشریح:

نبی علیہ السلام جمعرات کے دن سفر پر تشریف لے جانا پسند فرماتے تھے۔

امام بن حجر عسقلانی نے لکھا:

''جمعرات کے دن سفر کے لیے نکلنے کا سبب وہ ہے جس کا امام طبرانی نے نقل کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا! میری اُمت کے لیے جمعرات کے دن سفر میں برکت رکھی گئی ہے۔''

اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ ہمیشہ جمعرات کے دن سفر کریں۔ کیونکہ آپ کسی مانع کی وجہ سے ہفتہ کے دن بھی سفر کرتے تھے۔'' ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۴/ ۳۱۵، دار المعرفہ بیروت۔''

لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ جمعرات کو سفر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جمعرات کے دن سفر کرنے میں برکت رکھی ہے اور خود نبی ﷺ نے بھی دُعا مانگی کہ اللہ ہفتہ اور جمعرات کے سفر میں برکت فرمائے۔ اور آپ ﷺ خود جمعرات کے دن سفر کو پسند فرماتے تھے۔ اس لحاظ سے جمعرات کا سفر بابرکت بھی ہے اور جمعرات کو سفر کرنا سنت نبوی ﷺ بھی ہے۔

---

[1] سنن ابی ماجہ، بلفظ اللّٰھم بارک لامتی
کتاب التجارات باب مایرجی من البرکۃ فی البکور
حدیث۔ ۲۲۳۷، جلد۔ ۲، ص۔ ۷۵۲۔ دار الفکر بیروت

حدیث نمبر (۳۷)

(وَبِہٖ) کَادَالْفَقْرُاَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا۔[1]

ترجمہ: ”قریب ہے کہ مفلسی کفر تک پہنچا جائے۔“

تشریح:

قناعت، بے لوثی اور مسکینی کی تو حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، اور حضور ﷺ نے خود بھی قناعت اختیار کی لیکن اِس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ہر فرد کے لیے مسکینی کو پسند کرلیا ہو بلکہ فطرت انسانی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا ”بعض دفعہ بعض انسان مفلسی سے دل برداشتہ ہو کر کفر تک چلا جاتا ہے۔“ یہ بھی نفسیات انسانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ نظام اسلام کے اندر مالداری کی بھی گنجائش ہے اور اس کی مثال انبیاء کرام اور صحابہ عظام سے بھی ملتی ہے۔

صحابہ کرام میں جس طرح حضور ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ابو ذر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ہوئے ہیں (فقر کی اعلیٰ مثال) اسی طرح عبد الرحمن بن عوف طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی گزرے ہیں (مالداری کی اعلیٰ مثال)۔ لیکن بندۂ مومن کے لیے فرمان یہ

---

[1] ۱۔ مسند الشھاب، القضاعی، فصل کا دالفقران یکون کفرا، وکان الحسدان یغلب القدر، حدیث۔ ۵۸۶، جلد ۱، ص۔ ۳۴۲ مؤسسۃ الرسالہ

۲۔ شعب الایمان،

باب الاربعون۔ فصل الثالث الابعون فی الحدث علی غل الحسدو الترک حدیث۔ ۶۶۱۲، جلد۔ ۵، ص۔ ۲۶۶۔ دار الکتب العلمیہ بیروت

ہے کہ وہ مالداری میں بھی خدا کا شاکر رہے اور اُس مال سے خرچ کرے اور اگر وہ مفلسی میں ہے تو اس مسکینی کو بھی خدا کا احسان جان کر صابر و شاکر رہے اور بلا ضرورت لوگوں کے سامنے اپنے فقر و مفلسی کا تذکرہ نہ کرے اور دل میں یہ خیال رکھے کہ دو جہاں کے سردار مالک و مختار ﷺ کی حیات طیبہ میں بھی ایسے لمحات آئے کئی مہینوں کھانا نہ کھایا اور پیٹ مبارک پر پتھر باندھ کر دین کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔

حدیث نمبر (۳۸)

(وَبِہٖ) اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ۔ [۱]

ترجمہ: ''سفر بھی مصیبت کی ایک قسم ہے۔''

تشریح:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تم کو کھانے، پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ جب تم میں سے کسی شخص کا کام پورا ہو جائے تو وہ اپنے گھر آنے میں جلدی کرے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۴۸۴۶)

آپ ﷺ کے معاصرین زمانہ میں سفر کا ایک مصیب ہونا تو ظاہر ہی تھا۔ اب باوجود اس کے کہ سفر بھی حضر کی آسائشوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن انسان کے معمولات میں فرق آجاتا ہے اور اسے اس وقت تک سکون اور اطمینان نہیں ہوتا کہ جب تک وہ اپنے گھر واپس نہ لوٹ آئے۔

---

[۱] صحیح بخاری : عن ابی ہریرہ

کتاب ابواب العمرہ۔ باب السفرۃ قطعة من العذاب

حدیث۔ ۱۷۱۰، جلد۔ ۲، ص۔ ۶۳۹۔ دار ابن کثیر یمامہ بیروت

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ سفر کو عذاب اس لیے فرمایا کہ اس میں تھکاوٹ اور درد ہوتی ہے۔ اور جب کسی کو عذاب دیا جاتا ہے تو اسے بھی درد ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر کا واقعہ موجود ہے۔ لقد لقینا من سفرنا هذا نصباً (کہف ۶۲) ''بے شک ہم نے اپنے اس سفر میں تھکاوٹ محسوس کی جہاں سفر کو عذاب کا ٹکڑا کہا گیا کہ اس میں درد تکلیف اور تھکاوٹ ہے وہیں مسافر کے لیے سفر میں اللہ نے بڑی برکتیں رکھیں ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر لوگ جان لیں کہ مسافر کی کیا تکلیف ہے تو وہ سفر میں رہیں بے شک اللہ پاک مسافر پر روز دو بار نظر رشک فرماتا ہے۔ (علامہ ابو الحسن علی بن محمد الکتانی، تفریہ الشریعہ ۲ / ۱۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حدیث نمبر (۳۹)

(وَبِهٖ) اَلْمَجَالِسُ بِالْاَ مَانَةِ۔[1]

ترجمہ: ''مجلسوں میں ہونے والی گفتگو امانت ہوتی ہے۔''

تشریح:

مجلسیں ایسی صورت میں قائم و دائم رہتی ہیں کہ اُن میں سے کسی کا راز فاش نہ ہو اور تمام شرکاء کے اقوال و افعال میں امانت داری ہو اور یہ تمام باتیں مجلس تک ہی محدود

---

[1] ۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی نقل الحدیث
حدیث۔ ۴۸۷۱، جلد۔ ۴، ص۔ ۴۱۹، دار الکتب العربی بیروت

۲۔ مسند احمد بن حنبل، باب مسند المکثرین من الصحابہ
حدیث۔ ۱۴۷۳۴، جلد۔ ۳، ص۔ ۳۴۲، مؤسسۃ قرطبہ قاہرہ

رہیں ۔مجلسیں اجتماعی زندگی کا ایک اہم پہلو اور روشن مثالیں ہیں لیکن ان کا قائم رہنا اس بات پر مشروط ہے کہ مجلس کی باتیں اور وہاں کئے گئے وعدے اور معاہدے اور دیگر اقوال واعمال کا افشاء نہ ہو۔

اگر اس طرح کا عمل شروع ہو جائے تو دوست یار اور رفقاء کی جدائی ہو جاتی ہے اور دوستانہ دشمنیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں ۔مجالس کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ امانت داری سے کام لیا جائے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کسی کی بات اور مشورہ بھی انسان کے پاس امانت ہوتی ہے'' اگر کسی کی بات اور مشورہ کا افشاء کیا جائے تو یہ بھی خیانت اور بد دیانتی ہے۔

پرانے مشرقی کلچر اور تہذیب کے اُجڑنے کی بھی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ مجالس امانتداری سے خالی ہوگئیں اور بددیانتی نے دوستوں اور یاروں میں جدائی کے پہاڑ کھڑے کر دیئے ۔انجام یہ ہوا کہ مجلسوں والا وہ اعلیٰ تہذیب اور تہذیبی ماحول دم توڑ گیا۔

او کما قال علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔

حدیث نمبر (۴۰)

(وَبِہٖ) خَیْرُ الزَّادِ التَّقْوٰی۔[1]

ترجمہ: ''بہترین توشہ پرہیزگاری ہے۔''

تشریح:

تقویٰ کا لغوی معنی: کسی چیز کو اذیت سے محفوظ کرنا، اس کی حمایت کرنا، اس کی حفاظت کرنا۔

---

[1] (البانی، سلبسلة الاحادیث الصحیحه، ۲۱۲۸، مکتبه المعارف ریاض)

قرآن مجید میں ہے ''مالھم من اللہ من واق'' (رعد ۳۴) انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔ تاج العروس ۱۰/ ۳۹۶۔ مطبوعہ المطبعۃ الخیر، مصر، علامہ اصفہانی رقم طراز ہیں ''تقویٰ کا معنیٰ ہے کسی ڈرانے والی چیز سے نفس کو بچانا اور اسکی حفاظت کرنا۔

شرعی معنیٰ:۔ گناہ کی آلودگی سے نفس کی حفاظت کرنا اور یہ ممنوعہ کاموں کے ترک سے حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''فمن اتقیٰ واصلح فلاخوف علیھم ولاھم یحزنون'' (اعراف ۳۵) پس جو جوگ گناہوں سے باز رہے اور انہوں نے نیکیاں کیں تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''

علامہ شریف نے تقویٰ کی تعریف یوں کی ''اللہ کی اطاعت کر کے نفس کو عدم اطاعت کے عذاب سے بچانا تقویٰ کہلاتا ہے۔

علامہ قرطبی نے تقوی کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے۔

☆ کسی ناپسند چیز سے خود کو بچانے کے لئے اپنے اور اس چیز کے درمیان کوئی آڑ بنالینا۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے ''لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو تائب ہوں یا متقی ہوں۔

☆ بایزید بسطامی نے کہا ''متقی وہ ہے جس کا ہر قول اور عمل اللہ کے لئے ہو۔

☆ حضرت ابوداؤد نے کہا تقوی ہر قسم کی خیر کا جامع ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کو وصیت کی ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ۲/ ۱۶۲ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

☆ امام رازی لکھتے ہیں متقی وہ شخص ہے جو عبادات کو انجام دے اور ممنوعات سے بچے۔

☆ ابراہیم بن ادھم نے کہا تقوی یہ ہے کہ تمہاری زبان پر مخلوق کا عیب نہ ہو۔ اللہ

تمہارے دل عیب نہ دیکھے فرشتے تمہارے اعمال میں عیب نہ پائیں۔

☆۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا" معصیت پر اصرار نہ کرنا اور عبادت پر مغرور نہ ہونا تقوی ہے

تقویٰ قرآن کے آئینہ میں:۔

۱۔ اتقو اللہ حق تقاتہ (آل عمران ـ ۱۰۲) اور اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

۲۔ فمن اتقی و اصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (الاعراف ۳۶) پس وہ لوگ گناہ سے باز رہے اور انہوں نے نیکیاں کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

۳۔ یا ایھا الناس اتقوا ربکم (نساء ۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔

۴۔ والزمھم کلمۃ التقویٰ (الفتح ۲۶) اور اللہ نے انہیں کلمہ توحید پر مستحکم کردیا۔

۵۔ ولوان اھل القریٰ امنو و اتقو (اعراف ۹۶) اور اگر بستیوں والے ایمان والے اور توبہ کرتے۔

۶۔ ان انذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون (النحل ۲) لوگوں کو ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو میری اطاعت کرو۔

۷۔ واتوا البیوت من ابوابھا و اتقو اللہ (البقرۃ ۱۸۹) اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔

۸۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب (الحج ۳۲) اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو یہ دلوں کے اخلاص سے ہے۔

۹۔ ان اللہ مع الذین اتقوا (النحل ۱۲۸) بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

۱۰۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (الحجرات ۱۳) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں

سے سب سے مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

قرآن کریم کی بیشتر آیات ایسی ہیں جن میں تقوی سے مراد خوف خدا ہے۔

متقین احادیث کے آئینہ میں:۔ حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک متقین میں سے شمار نہیں ہوگا جب تک کہ وہ بے ضرر چیز کو اس خوف سے نہ چھوڑ دے کہ شاید اس میں ضرر ہو (ترمذی ص ۳۵۳)

حضرت میمون بن مہران نے کہا بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنا حساب اس طرح نہ کرے جس طرح اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا اور اس کے کپڑے کہاں سے آئے۔ (ترمذی ۳۵۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ میں اس بات کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے سو جو شخص مجھ سے ڈرے گا تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کو بخش دوں گا۔ (سنن دارمی ۲ / ۲۱۲)

حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کرلیں تو وہ ان کے لئے کافی ہوگی۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔
(سنن دارمی ۲ / ۲۱۴، نشر السنہ ملتان)

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "سفر کے سلسلے میں تو یہ ایک آیت قرآنی کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے عام کرکے بتا دیا کہ پرہیزگاری ایسی نعمت ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین زادِ راہ کا کام دے سکتی ہے۔

❁❁❁❁

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ اور فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں

اس لیے اے ایمان والو تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کرو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آ

لِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی

اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۵

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آ

لِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی

اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۵

السیف فاؤنڈیشن، پاکستان
0321-0313-2853528